عورت اور اسلام

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اوّل

موجودہ دور میں اسلام کے بارے میں، جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں یا بالقصد
یدا کی جاتی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اسلام نے عورت کو مرد کے برابر حیثیت
ہیں دی ہے اور اس کی تگ و دو پر اتنی پابندیاں عائد کردی ہیں کہ وہ زندگی کی دوڑ میں
ازماً پیچھے رہ جاتی ہے اور ہمیشہ مرد کی دست نگر رہتی ہے۔ حالاں کہ یہ ایک حقیقت ہے
کہ اسلام نے سب سے پہلے مساواتِ مرد وزن کا علَم بلند کیا۔ اس نے کہا خدا کی نظر میں
ورت اور مرد دونوں برابر ہیں اور ان کی کام یابی و ناکامی کے اصول بھی ایک ہیں۔ لیکن
ہ موجودہ دور کے اس تصورِ مساوات کو غلط سمجھتا ہے کہ دونوں کو ایک میدان میں کام کی
جازت ہونی چاہیے، اس کے بغیر ان کے درمیان مساوات قائم نہیں ہوسکتی۔ اسلام کے
زدیک عورت کو گھر کی اور مرد کو باہر کی ذمے داری اٹھانی چاہیے۔ اس لیے کہ دونوں کے
ائرہ ہائے کار فطری طور پر الگ ہیں۔ اس نے مرد اور عورت کے درمیان تقسیم کار کے
ساتھ ان کے حقوق اور ذمے داریوں کا تعین کیا اور انھیں اس کا پابند بنایا، تاکہ عملی زندگی
یں عدل اور انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔

اس موضوع پر میری ایک مفصل کتاب **'عورت - اسلامی معاشرے میں'**
کئی سال قبل شائع ہوچکی ہے۔ پیشِ نظر کتاب کا موضوع بھی یہی ہے۔ اس میں ان
گوشوں کو زیادہ واضح کیا گیا ہے، جو پہلی کتاب میں مجمل رہ گئے تھے اور ان مباحث کی
طرف صرف مجمل اشارے کیے گئے ہیں یا انہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے، جن پر تفصیل
سے اس میں بحث ہوچکی ہے۔ سابقہ کتاب کے مواد کے استعمال سے بھی جہاں تک

ہوسکا احتراز کیا گیا ہے اور بڑی حد تک نیا مواد پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سابق کتاب میں زیادہ تر اصولی مباحث ہیں۔ پیشِ نظر کتاب کی ہر بحث کے شروع میں قرآن و حدیث کی تعلیمات بہت ہی اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہیں اور پھر حدیث سیرت اور تاریخ سے معتبر واقعات اور عملی نمونے اس کی تائید میں فراہم کیے گئے ہیں. اس طرح یہ دونوں کتابیں گو ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں، لیکن ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔

کتاب میں واقعات زیادہ تر دورِ اول کے پیش کیے گئے ہیں۔ اس لیے کہ یہ دور ہمارے لیے اسوہ ہے۔ بعد کے ادوار سے بہت کم مثالیں دی گئی ہیں۔ کہیں کہیں فقہی مسائل کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ اس سلسلے میں فقہاء کے مسالک نہیں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے لیے فقہی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

پوری کتاب قرآن و حدیث اور سیرت کے مستند مآخذ کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ بے دلیل کوئی بات نہیں کہی گئی ہے، اس کے باوجود خامیوں کا امکان ہے۔ جن صاحب کو کوئی خامی نظر آئے وہ براہِ کرم اس سے مطلع فرمائیں۔ ان شاء اللہ آئندہ اس کی اصلاح کر دی جائے گی اور یہ عاجز اس کے لیے شکر گزار ہوگا۔

سالِ رواں (۱۹۷۹ء) بین الاقوامی سطح پر خواتین کے سال کے طور پر منایا جا رہا ہے۔ جماعتِ اسلامی ہند نے طے کیا ہے کہ اس مناسبت سے خواتین کے بارے میں اسلام کے موقف اور مسلمان خواتین کے کارناموں کا خصوصی تعارف کرایا جائے۔ امید ہے یہ کتاب اس سلسلہ میں مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے شرفِ قبولیت سے نوازے، اس کے ذریعے دین کا بہتر تعارف ہو اور ہماری خواتین میں وہی جذبہ عمل اور وہی صلاحیتیں لوٹ آئیں، جو دورِ اول کی خواتین میں تھیں۔ آمین

جلال الدین عمری

۲۵ر فروری ۱۹۷۹

طبع جدید

یہ کتاب پہلی بار اڑتیس (۳۸) برس قبل شائع ہوئی تھی اور خواتین کے سال
ل مناسبت سے بڑے پیمانہ پر اس کی اشاعت بھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کے
ں (۱۰) ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اس کا انگریزی، ہندی، مراٹھی اور تلگو میں ترجمہ طبع
وچکا ہے۔ خواتین سے متعلق بعض مدارس میں یہ شاملِ نصاب بھی ہے۔ اب کی بار
ں نے اس پر کسی قدر تفصیل سے نظر ثانی کی ہے۔ اس کے مباحث کو مناسب
واب میں تقسیم کیا ہے۔ اس کے حوالے چیک کیے ہیں، جن کتب مآخذ کے جدید
یڈیشن دست یاب ہوسکے حوالے ان کے مطابق کرنے کی سعی کی ہے۔ کتاب کے
خر میں دورِ جدید میں مسلمان خواتین کی ملازمت سے متعلق ایک سوال نامہ کا جواب
ی شامل کیا گیا ہے۔ آخر میں کتابیات کی فہرست دے دی گئی ہے۔ امید ہے ان
وششوں سے کتاب کی قدر و قیمت اور افادیت میں اضافہ ہوگا۔ اب تک اس کتاب
کے طبع اول ہی کا عکس چھپتا رہا ہے۔ اب کی بار مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز (نئی دہلی)
سے زیادہ اہتمام سے شائع کر رہا ہے۔ میں برادرم ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی اور
زیزم عارف مصطفیٰ ندوی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی ایک سے دو

مرتبہ پروف ریڈنگ کی، جہاں ضرورت محسوس ہوئی حوالوں کی مراجعت کی اور مآخذ
اور کتابیات کے مرتب کرنے میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے اور علم
عمل میں ترقی عطا فرمائے۔

خاکسار

جلالُ الدین عمری

۲۸/اپریل ۲۰۰۹ء

اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اس کتاب کو مقبولیت عطا کی۔ اب اس
بارھواں (۱۲) ایڈیشن نظر ثانی کے بعد پریس جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس
حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور روزِ آخرت اس کے بہترین اجر سے نوازے۔

خاکسار

جلالُ الدین عمری

۲۶/اکتوبر ۲۰۲۱ء

عورت کی عظمت
اور
خاندان کی تعمیر میں اس کا کردار

چھٹی صدی عیسوی میں حضرت محمد ﷺ کا اعلانِ رسالت انسانی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ تھا۔ اس کے نتیجہ میں فکر و نظر کی دنیا بدل گئی اور سیرت و کردار میں انقلاب آ گیا۔ انسان نے نئے ڈھنگ سے سوچنا شروع کیا اور اس کی زندگی نے نیا رخ اختیار کیا۔ اسی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ عورت کے بارے میں اس کا پورا نقطۂ نظر اور عملی رویہ بدل گیا اور عورت اور مرد کے تعلقات نئی بنیادوں پر قائم ہوئے۔

عورت کی محکومی کے خلاف اسلام کی صدائے احتجاج

اسلام سے پہلے عورت کی تاریخ مظلومی اور محکومی کی تاریخ تھی۔ اسے کم تر اور روتر سمجھا جاتا تھا۔ اسے سارے فساد اور خرابی کی جڑ کہا جاتا اور سانپ اور بچھو سے جس طرح بچا جاتا ہے اس طرح اس سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی تھی۔ بازاروں میں جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اس کی کوئی مستقل حیثیت نہیں تھی، بلکہ وہ مرد کے تابع تھی۔ اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ مرد کے رحم و کرم پر جیتی تھی۔ اسلام نے اس کی محکومی کے خلاف اتنے زور سے آواز بلند کی کہ ساری دنیا اس سے گونج اٹھی اور آج کسی میں یہ ہمت نہیں ہے کہ اس کی پچھلی حیثیت کو صحیح اور برحق کہہ سکے۔

اس نے پوری قوت سے کہا:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّ نِسَاءً ۚ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا○ (النساء:۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے مدد طلب کرتے ہو اور رشتوں کا احترام کرو۔ بے شک اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان، ج جھوٹے امتیازات دنیا نے قائم کر رکھے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ ان کی کوئی بنیاد نہیر ہے۔ سارے انسان نفسِ واحد سے پیدا ہوئے ہیں۔ سب کی اصل ایک ہے۔ پیدائشٔ طور پر نہ تو کوئی شریف ہے اور نہ رذیل، نہ کوئی اونچی ذات کا ہے اور نہ نیچی ذات کا سب برابر اور مساوی حیثیت کے مالک ہیں۔ خاندان، قبیلہ، رنگ ونسل، ملک وقوم زبان اور پیشہ کی بنیاد پر ان کے درمیان کسی بھی قسم کی تفریق غلط اور ناروا ہے۔

اسلام- مساواتِ مرد و زن کا پہلا علم بردار

عورت اور مرد کے درمیان زمانۂ قدیم سے جو فرق و امتیاز چلا آرہا تھا یہ اس کی بھی تردید ہے۔ اس میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ انسانِ اول کا جوڑا کسی اور نور سے نہیں تھا، بلکہ اسی کی نوع سے تھا۔ کوئی دوسری مخلوق اس کی رفاقت کے لیے اس کے ساتھ نہیں لگادی گئی تھی، بلکہ وہ اسی سے نکالی گئی تھی۔ اس اوّلین جوڑے سے بے شما مرد اور عورتیں پیدا ہوئے، ان کے درمیان رشتے اور تعلقات قائم ہوئے اور پوری نسلِ انسانی پھیلی، اس لیے دونوں کے درمیان فرق و امتیاز نوعِ انسانی کے ایک بازو او دوسرے بازو کے درمیان فرق و امتیاز ہے، ایک کل کے دو اجزا کے مابین تفریق ہے

ساواتِ مرد و زن اور دونوں کی یکساں حیثیت کے اظہار کے لیے اس سے بہتر تعبیر کا
سور نہیں کیا جاسکتا۔

اسی کے ساتھ فرمایا گیا کہ سارے انسان ایک خدا کے بندے اور ایک ماں
پ کی اولاد ہیں، اس لیے انہیں ایک طرف تو خدا کی عبادت اور تقویٰ اختیار کرنا چاہیے
ر اس سے ڈر کر زندگی گزارنی چاہیے۔ دوسری طرف، جو رشتے اور تعلقات ان کے
رمیان ہیں ان کا احترام کرنا چاہیے۔ اس میں مرد کے احترام کے ساتھ عورت کے بھی
ترام کی تاکید تھی۔

ورت اور مرد کی کام یابی ایمان و عمل سے وابستہ ہے

اسلام نے اس تصور ہی کی جڑ کاٹ دی کہ مرد اس لیے باعزت اور سربلند ہے
لہ وہ مرد ہے اور عورت محض عورت ہونے کی وجہ سے فروتر اور ذلیل ہے۔ اس کے
زدیک عورت اور مرد دونوں برابر ہیں۔ ازلی و ابدی طور پر نہ تو کسی کے لیے برتری کا
روانہ لکھ دیا گیا ہے اور نہ کسی کے حق میں کم تری کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ مرد اور عورت میں
سے جو بھی ایمان اور حسنِ عمل سے آراستہ ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں کام یاب ہوگا اور
س کا دامن ان اوصاف سے خالی ہوگا وہ دونوں ہی جگہ ناکام و نامراد ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل:۹۷)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت اگر وہ مومن ہے تو ہم (اس دنیا میں) اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ضرور ان کے اچھے کاموں کا اجر عطا کریں گے۔

یہ اس بات کا اظہار و اعلان ہے کہ انسان کی قسمت کا فیصلہ اس کی جنس کی
یاد پر نہیں، ایمان و عمل کی اساس پر ہوتا ہے۔ جس کسی کے دامن میں ایمان اور
سنِ عمل کی دولت ہوگی اس دنیا میں اسے حیاتِ طیبہ نصیب ہوگی۔ وہ کسی مرحلہ میں

صراطِ مستقیم سے بھٹکے گا اور نہ غلط راہ پر گام زن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے رزقِ حلال عط
کرے گا، مشکلات میں صبر و قناعت کی دولت سے بہرہ ور فرمائے گا۔ قیامت کے رو
جنت کے دروازے اس کے لیے کھلیں گے اور وہاں کی ابدی نعمتوں کا وہ حق دار قرا
پائے گا۔ یہ ایک قاعدۂ کلیہ ہے۔ اس میں مرد اور عورت کے درمیان فرق نہیں ہے۔

عورت کا میدانِ کار اس کا گھر ہے

البتہ اسلام کے نزدیک عورت اور مرد کے دائرۂ کار جدا جدا ہیں۔ عورت ک
میدانِ عمل اصلاً اس کا گھر ہے اور گھر سے باہر کی دنیا مرد کی آماج گاہ ہے۔ چناں چ
رسولِ اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو قرآن نے ہدایت کی اور یہی ہدایت ان تما
خواتین کے لیے ہے جو خدا اور رسول پر ایمان رکھتی ہیں۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (الاحزاب:۳۳) اور اپنے گھروں میں سکون سے رہو۔

یہ خواتین کو اپنے گھروں میں رہنے کا حکم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ک
دائرۂ عمل گھر ہونا چاہیے۔ اس کی مصروفیات ایسی نہیں ہونی چاہئیں کہ اسے گھر ک
ذمے داریوں سے کنارہ کش ہونا پڑے۔

دو اعتراضات اور ان کا جواب

اسلام کے اس موقف پر کہ عورت کا دائرۂ کار گھر اور خاندان ہے، عام طور
دو اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ عورت پر گھر کی ذمے داری ڈالنے سے
معاشی جدوجہد نہیں کر سکے گی اور اس پہلو سے معاشرہ میں اس کی حیثیت مستقل کم ز
رہے گی۔

اس سلسلے میں پہلے تو یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ اسلام نے عورت کو معاش
جدوجہد سے باز نہیں رکھا ہے، البتہ اس کے لیے بعض حدود متعین کیے ہیں۔ ان حد
کے اندر وہ کوئی بھی ذریعۂ معاش اختیار کر سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خان

صروفیات کی وجہ سے عورت کی معاشی جدوجہد پر اثر پڑ سکتا ہے اور وہ مرد کی طرح اپنا
نت اور توانائی اس کے لیے صرف نہیں کرسکتی۔ اس کا حل اسلام نے یہ نکالا ہے کہ وہ
رد کو قانوناً اس امر کا پابند بناتا ہے کہ وہ عورت کو معاشی ضمانت فراہم کرے اور اس کی
فالت کا بوجھ اٹھائے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عورت پر گھر کی ذمے داری ڈالنے سے وہ اس
ا چہار دیواری میں محصور ہوکر رہ جاتی ہے۔ زندگی کے اور گوشوں میں نہ تو اس کی
لاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور نہ وہ خود فائدہ پہنچانے کے موقف میں ہوتی ہے۔

یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ اسلام کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ امور خانہ داری کے
ا سارے کام عورت کے لیے ممنوع ہیں۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اصلاً گھر کی
لکہ اور منتظمہ ہے۔ اسے باہر کی دنیا کو آباد کرنے کی فکر میں اپنا گھر اجاڑ نہیں دینا
ہیے۔ اس کے اوقات کار اور توانائیوں پر باہر کی دل چسپیوں اور مشغولیتوں کا اس طرح
نہ نہ ہوجائے کہ گھر اس کے لیے محض ایک قیام گاہ اور ستانے اور تھوڑی دیر آرام
رنے کی جگہ بن کر رہ جائے۔ ہاں خانگی ذمے داریوں کو پورا کرنے کے بعد وہ
عاشی جدوجہد بھی کرسکتی ہے اور اپنے حالات، ذوق اور رجحان کے لحاظ سے زندگی
ے دوسرے میدانوں میں دل چسپی بھی لے سکتی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان
ا تین نے اپنے فطری دائرے میں رہتے ہوئے اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں
ں فی الواقع دل چسپی لی اور نمایاں کارنامے انجام دیے۔

سب سے بڑی بات یہ کہ اسلام نے عورت کو سماجی اور معاشرتی لحاظ سے بڑا
نچا مقام عطا کیا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ کسی احساس کم تری کے بغیر باوقار اور
ظمت زندگی گزارتی ہے اور مرد کے ساتھ مل کر ایک صاف ستھرے اور پاکیزہ
عاشرے کی تعمیر میں اس کی قوتیں صرف ہوتی ہیں۔

دائرۂ عمل کیوں الگ ہو؟

اب آیئے اس سوال پر غور کریں کہ اسلام نے عورت اور مرد کے دائرۂ کار ایک دوسرے سے الگ کیوں رکھے ہیں؟ اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ ــــ عفت و عصمت کی حفاظت

اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس سے دونوں کی عفت و عصمت کی حفاظت ہوتی ہے۔ جب بھی دونوں ایک میدان میں کام کریں گے باعفت زندگی گزارنا ان کے لیے دشوار ہوگا۔ اگر عورت اور مرد مل جل کر درس گاہوں میں تعلیم حاصل کریں، پارکوں اور میدانوں میں کھیل کود اور تفریح میں حصہ لیں، بازاروں میں بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ لین دین اور کاروبار کریں اور خلوت و جلوت میں بغیر کسی روک ٹوک اور پابندی کے ملتے جلتے رہیں اور پھر یہ سلسلہ دو ایک دن نہیں، بلکہ سالہا سال تک دراز ہوتا چلا جائے اور اسی میں بچپن سے لے کر جوانی اور جوانی سے لے کر بڑھاپے تک کے سارے مراحل طے ہوتے رہیں، تو ان کے جنسی جذبات کا بھڑکنا اور بے قابو ہونا یقینی ہے۔ اس کے بعد وہ جنسی بے راہ روی کا آسانی سے شکار ہوسکتے ہیں۔

موجودہ دور میں جہاں کہیں اختلاطِ مرد و زن عام ہے، وہاں اس کے بڑے بھیانک نتائج دیکھے جارہے ہیں۔ عفت و عصمت اجڑ گئی اور جنسی آوارگی وبائے عام کی طرح پھیل گئی ہے۔ اب اس کی اصلاح بھی اتنی دشوار ہوگئی ہے کہ اسے ایک ایسی سماجی برائی کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا ہے، جس سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے اور اس کے نتائجِ بد کو بھی چاروناچار برداشت کیا جارہا ہے۔

عفت و عصمت بظاہر ایک اخلاقی قدر ہے، لیکن اس سے پورے معاشرے کا رُخ متعین ہوتا ہے۔ جس معاشرہ میں عفت و عصمت کی کوئی اہمیت نہ ہو وہ آدمی کو ہر طرف سے کھینچ کر زنا اور بدکاری کی طرف لے جاتا ہے۔ اس سے ایک خاص قسم کا کلچر،

تہذیب، معاشرت، ادب اور اخلاق پیدا ہوتا ہے۔ اس کی ایک ایک چیز انسان کے جنسی جذبات میں آگ لگاتی اور انہیں بھڑکاتی رہتی ہے۔ اس کے برخلاف، جو معاشرہ عفت عصمت کی قدر و قیمت اور عظمت محسوس کرے اس کی تعمیر ایک دوسرے ہی نہج پر ہوتی ہے۔ اس کے ہر عمل سے شرم و حیا اور کردار کی پاکیزگی کا اظہار ہوتا ہے اور ہر طرف تقویٰ و طہارت کی فضا چھائی رہتی ہے۔

اسلام عفت و عصمت کے معاملہ میں بڑا حساس واقع ہوا ہے۔ اس نے عورت ور مرد کے آزادانہ میل جول اور اختلاط کو سختی سے منع کیا ہے۔ وہ اس بات کو غلط سمجھتا ہے کہ اجنبی عورت اور مرد ایک ساتھ مل کر رہیں یا کام کریں اور خود کو ایسی آزمائش میں ڈال دیں کہ اس سے نکلنا ان کے لیے مشکل ہوجائے۔ اس نے زنا اور بدکاری کے رتکاب ہی سے نہیں، بلکہ اس کے قریب جانے سے بھی منع کیا ہے۔ فرمایا:

وَلاَ تَقْرَبُوْا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَ سَآءَ سَبِيْلاً ○ (بنی اسرائیل:۳۲)

زنا کے قریب مت پھٹکو۔ اس لیے کہ وہ بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

دوسری وجہ ــــ صلاحیتوں کا فرق

عورت اور مرد کے لیے دو الگ میدانِ کار تجویز کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں کی قوتیں اور صلاحیتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت جسمانی طور پر مرد سے کم زور ہے، وہ زیادہ محنت و مشقت برداشت نہیں کرسکتی۔ اس کے ساتھ ایسے عوارض بھی لگے ہوئے ہیں، جو اسے مسلسل اور سخت محنت سے دور رکھتے ہیں۔ اس کی جوانی کا آغاز ہی ماہ واری سے ہوتا ہے اور جب تک وہ بڑھاپے کی حدود میں داخل نہ ہوجائے یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے حمل و رضاعت کے سخت اور جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ ساری کیفیات اس کی صحت، قوتِ کار اور مزاج پر اثر انداز ہوتی ہیں اور لگاتار جدوجہد اور محنت کی راہ میں مانع

ہیں۔ اس لیے فطرت کا تقاضا اور عدل و انصاف سے قریب تر بات یہی ہے کہ عورت پر اس سے کم بوجھ ڈالا جائے جتنا بوجھ مرد پر ڈالا جاتا ہے۔ محنت و مشقت کے کام مر کے سپرد کیے جائیں اور عورت کو ان کاموں میں لگایا جائے، جو زیادہ محنت طلب نہیں ہیں۔ اسلام نے اس کا حل یہ نکالا ہے کہ عورت گھر سنبھالے اور مرد باہر کی خدمات انجام دے۔

عورت کا مزاج، رجحان اور نفسیات بھی اسی کا تقاضا کرتے ہیں۔ عورت کے اندر محبت، دل داری، ہم دردی و غم خواری، ایثار و قربانی، صبر و تحمل، حلم و بردباری اور خدمت کے جذبات مرد سے زیادہ ہیں، ان کی وجہ سے وہ اپنے ماحول کو مسرت اور خوشی، راحت اور سکون اور دل جوئی اور محبت سے بھر سکتی ہے۔ لیکن زندگی کے شدائد اور مشکلات کا سامنا کرنے اور ہر طرح کے نشیب و فراز میں ثابت قدمی کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی میں جفا کشی، عزم و ہمت، پامردی اور شجاعت جیسی صفات پائی جائیں۔ یہ صفات مرد میں زیادہ ہیں۔ گھر اور خاندان نسبتاً پرسکون ماحول فراہم کرتے ہیں۔ اس میں عورت کی خوبیاں زیادہ نکھر کر سامنے آسکتی ہیں اور ان سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ زندگی کے پیچیدہ اور دشوار مسائل کا سامنا مرد کرسکتا ہے۔ اس لیے فطری طور پر اسی کو ان سے عہدہ برآ ہونا بھی چاہیے۔

گھر چھوڑنے میں عورت کا نقصان ہے

عورت کی یہ ہرگز خیر خواہی نہیں ہے کہ اسے اس کے فطری دائرۂ کار سے نکال کر غیر فطری دائرے میں پہنچا دیا جائے۔ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ عورت جب تک عورت ہے وہ ماں بننے، حمل رضاعت کی تکلیفیں برداشت کرنے اور حیض ونفاس کی کیفیات سے گزرنے پر مجبور ہے۔ ان مشکلات اور پیچیدگیوں میں مرد اس کا ساتھ بالکل نہیں دیتا۔ اس کے ساتھ م

کی ذمے داریاں بھی اس پر ڈال دینا بہت بڑی ناانصافی ہے۔
دوسری بات یہ کہ عورت گھر کی ملکہ ہے، وہاں اسے باپ، بھائی، شوہر، اولاد اور خاندان والوں کی محبت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کے حقوق و اختیارات بھی محفوظ ہوتے ہیں۔ عورت اگر گھر کی ذمے داری نہ اٹھائے تو وہ ان حقوق کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ اس کے بعد اسے زندگی گزارنے کے لیے ایک ایسے میدان میں کام کرنا ہوگا، جو حقیقت میں اس کا میدان نہیں ہے اور جہاں اسے اپنے سے زیادہ طاقت ور حریف سے قدم قدم پہ مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس میں اس کی توقع کم ہی کی جاسکتی ہے کہ وہ مرد سے آگے نکل سکے گی۔

گھر کی بنیادی اہمیت ہے

عورت کے لیے عزت و شرف کا مقام اس کا گھر ہے، بازار نہیں ہے۔ لیکن موجودہ دور میں گھر اور خاندان کی اہمیت پوری طرح محسوس نہیں کی جاتی، اس لیے جب سے عورت کا دائرۂ کار کہا جاتا ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے، اس کے لیے معاشرہ کا بہت ہی حقیر اور ذلیل کام تجویز کیا جا رہا ہے، اسے وہ حق نہیں دیا جارہا ہے، جو فی الواقع اسے ملنا چاہیے، اس طرح اسے مستقل نچلی سطح پر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالاں کہ خاندان کسی بھی سوسائٹی کی بنیاد ہے۔ گھر کی اہمیت بازار اور دفتر سے کم نہیں ہے۔ عورت گھر کی تعمیر کی، جو خدمت انجام دیتی ہے وہ ان بہت سے کاموں سے زیادہ اہم ہے، جو وہ گھر سے باہر انجام دیتی یا دے سکتی ہے۔ یہاں اس کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

گھر میں عورت کی خدمات

۱- انسان بے شمار سیاسی، سماجی اور تہذیبی مسائل میں الجھا رہتا ہے۔ اس کے ساتھ صحت، مرض، خوش حالی، بدحالی، تکلیف اور آسائش بھی لگی ہوئی ہے۔ بسا اوقات

معاش کے لیے اسے سخت جدوجہد اور محنت کرنی پڑتی ہے، اپنی اور اپنے خاندان کی
فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے بڑی دشواریوں کا سامنا بھی اسے کرنا پڑ سکتا ہے۔ اِن
حالات میں اسے سب سے زیادہ ضرورت ذہنی سکون اور اطمینان کی ہے۔ گھر یہی سکون
اور راحت فراہم کرتا ہے۔ اگر گھر بھی اسے سکون نہ فراہم کرے تو اس کے لیے جی
دوبھر ہوجائے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورت گھر کو راحت کدہ اور سکون کا مرکز
بنائے، تاکہ یہاں پہنچ کر مرد اپنی ساری کلفتیں اور پریشانیاں بھول جائے، اور تازہ دم
ہوکر کش مکشِ حیات میں اپنا حصہ ادا کرے۔

۲- یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بچہ کے لیے ماں کے دودھ سے بہتر
کوئی دوسری غذا نہیں ہے۔ اگر ماں گھر پر نہ رہے اور باہر کی مصروفیات اسے دن بھر
گھیرے رہیں تو وہ اس کا اہتمام نہیں کرسکتی۔ اسی طرح شیر خوارگی کی عمر میں بھی اور اس
کے بعد بھی عرصہ تک بچہ کی صحیح پرورش ماں ہی کے ہاتھوں میں ہوسکتی ہے۔ بچہ کی صحیح
نشو ونما کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ اسے مناسب اور متوازن غذا ملتی رہے
بلکہ اس کے لیے محبت، ہم دردی اور مامتا بھی ضروری ہے۔ اگر اسے اپنے قریب ترین
ماحول میں یہ جذبات نہ ملیں تو اس کی شخصیت مرجھا کر رہ جائے گی اور ابھرے گی
بالکل غلط رُخ پر ابھرے گی۔ ان جذبات کا مخزن ماں ہی کا سینہ ہے۔ کوئی بھی دوسرا فرد
اس کا بدل نہیں بن سکتا۔ جب ماں دن بھر گھر سے باہر رہے گی تو بچہ ان جذبات کے
لیے تڑپتا رہے گا اور وہ اسے نہ مل سکیں گے۔

۳- بچہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے لیے بھی ماں سب سے زیادہ موزوں
ہے۔ اس لیے کہ بچہ کی صحیح تعلیم اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ استاد بے حد شفیق اور
مہربان ہو، اس کی نفسیات اور مزاج سے واقف ہو، اس کی شرارتوں کو برداشت کرے اور
صبر و تحمل سے ان کی اصلاح کرے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بچہ خود بھی اس سے
محبت کرے، اس کی تلخ باتوں کو بھی خلوص اور خیر خواہی پر محمول کرے اور اس کی سختی بھی

ں کے لیے گوارا ہو۔ یہ جذبات ماں اور بچہ کے درمیان جیسے ہوتے ہیں کسی بھی
وسرے دو شخصوں کے درمیان نہیں ہوتے اور نہ اس کی ان سے توقع کی جاسکتی ہے۔

ایک اور پہلو سے دیکھیے۔ تعلیمی نقطۂ نظر سے یہ بات بہت اہم ہے کہ استاذ
ر شاگرد کے درمیان براہِ راست تعلق ہو۔ یہ تعلق جتنا قوی ہوگا بچہ اتنا ہی استفادہ بھی
کر سکے گا۔ اسی وجہ سے اسکول میں بھی بڑی کلاسیں زیادہ کار آمد نہیں سمجھی جاتیں،
کیوں کہ اس میں طالب علم اور استاذ کا تعلق کم زور ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں چھوٹی
کلاسیں پسندیدہ سمجھی جاتی ہیں، اس لیے کہ اس میں یہ تعلق بڑھتا ہے۔ اس پہلو سے
یک ماں اپنے چند بچوں کو جس طرح تعلیم دے سکتی ہے اس طرح ان کی تعلیم اسکول
ں نہیں ہوسکتی۔

بہت سے بچوں کی تعلیم اس لیے بھی اچھی نہیں ہوتی کہ گھر پر ان کو بہتر ٹیوٹر
ہیں ملتا یا ان کے والدین ٹیوٹر رکھنے کے موقف میں نہیں ہوتے۔ لڑکیوں کو ٹیوٹر کے
ریعے پڑھانے میں قباحت بھی محسوس ہوتی ہے۔ اگر ماں اس قابل ہو کہ گھر پر بچوں کو
علیم دے سکے اور اسے اپنی ذمے داری بھی محسوس کرے تو تعلیم پر ہونے والے
خراجات بھی کم ہوسکتے ہیں اور بہت سی قباحتوں سے بچا بھی جاسکتا ہے۔

یہاں ایک ضمنی لیکن ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے اہم بات یہ ہے کہ آج کل
ینی تعلیم کا رجحان کم ہے۔ چند ہی بچے دینی تعلیم حاصل کر پاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ
ہے کہ بچہ جب اسکول جانے کی عمر کو پہنچتا ہے تو اسکول بھیج دیا جاتا ہے۔ پھر اسے دین
کی موٹی موٹی باتیں جاننے اور سیکھنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔ چناں چہ بہت سے نیک اور
خدا ترس لوگوں کے بچے بھی دین کی ابتدائی باتوں سے ناواقف رہتے ہیں۔ اس کی وجہ
یہ ہے کہ باپ کو گھر پر انہیں تعلیم دینے کی فرصت نہیں ہوتی اور ماں یا تو جاہل ہوتی ہے
اس میں اس کا ذوق نہیں ہوتا۔ اگر ماں اس قابل ہو اور اسے اس کی فکر ہو تو اسکولوں
ں تعلیم پانے کے باوجود بچہ دین سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔

تربیت کے نقطۂ نظر سے بھی ماں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ بچہ کے لیے اصل نمونہ اس کی ماں ہوتی ہے۔ وہ اس کے اخلاق و عادات کا شب و روز مشاہدہ کرتا رہتا ہے اور اس کے رویے کو دیکھ کر اپنا رویہ متعین کرتا ہے۔ گھر والوں سے اس کی ماں کے اچھے یا برے جس طرح کے تعلقات ہوتے ہیں اسی طرح کے تعلقات وہ دوسروں سے قائم کرتا ہے۔ اس معاملہ میں ماں اس کی حقیقی معلّم ہوتی ہے اور اس کی سیرت اور اخلاق کا رُخ متعین کرتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ گھر کی تعمیر کے بغیر معاشرہ کی تعمیر نہیں ہوسکتی۔ اسی وجہ سے اسلام نے عورت کو اس کی تعمیر کے لیے بالکل فارغ کر دیا ہے۔ وہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا بوجھ اس پر ڈالنا نہیں چاہتا۔ حتّٰی کہ معاش کی ذمے داریوں سے بھی اسے سبک دوش کر رکھا ہے۔ اس کے نزدیک گھر کی تعمیر جہاد سے کم اہم نہیں ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ کچھ عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مرد تو فضیلت والے اعمال اور جہاد کا ثواب حاصل کرتے ہیں، ہم کیا کریں کہ ہمیں بھی وہ ثواب ملے، جو راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کو ملتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تم میں سے جو عورت گھر میں بیٹھی رہے گی وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا ثواب پائے گی۔''[1]



---

[1] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۶/ ۴۳۰۔ اس روایت کی سند پر جرح کی گئی ہے۔

مسلمان عورت

(گھر اور خاندان میں)

خاندان سماج کا اوّلین ادارہ ہے۔ اس کی صحیح تعمیر پر پورے سماج کی بہتر تعمیر کا
ںحصار ہے۔ اسلام نے بنیادی طور پر اس کی ذمے داری عورت پر ڈالی ہے، لیکن اس کی
جہ سے اس کی قانونی اور اخلاقی حیثیت کسی طرح مجروح نہیں ہونے دی۔ وہ ایک
لرف تو اس کے تمام حقوق کی از روئے قانون ضمانت فراہم کرتا ہے اور دوسری طرف
س نے پورے معاشرے کو اس کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کا حکم دیا ہے۔ اسلام ایسی
ضا پیدا کرتا ہے کہ عورت، جس حیثیت میں بھی رہے عزت و احترام کے ساتھ رہے۔
نب تک یہ فضا باقی ہے اس کے اعزاز و اکرام میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ اسلامی
معاشرے میں اسے پورے قانونی حقوق بھی حاصل ہوں گے۔ اور سماجی حیثیت سے بھی
س کا درجہ بہت بلند ہوگا۔

گھر اور خاندان میں عورت کی تین نمایاں حیثیتیں ہیں: ماں، بیوی اور بیٹی۔
س کی ایک حیثیت بہن کی بھی ہے۔ اسلام نے ان تمام حیثیتوں سے اسے اتنا برتر اور
ونچا مقام عطا کیا ہے کہ اسلام کے حدود میں رہتے ہوئے کوئی اس سے اس کا یہ
مقامِ رفیع چھین نہیں سکتا۔

ماں کا احترام

اسلام میں خدا اور اس کے رسول کے بعد سب سے اونچا درجہ ماں کا ہے۔ اس نے ماں اور باپ دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی ہے اور ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ انسان پر دونوں ہی کے احسانات ہیں، لیکن قرآن و حدیث میں ماں کے احسانات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ چناں چہ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ (لقمان:۱۴)

ہم نے انسان کو تاکید کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹا۔ ہم نے حکم دیا کہ میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی شکر بجا لا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ (الاحقاف:۱۵)

ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اس کی ماں نے تکلیف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور تکلیف اٹھا کر اسے جنا۔ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔

بچہ کی نگہ داشت، پرورش، خدمت اور تعلیم و تربیت وغیرہ میں باپ کے ساتھ ماں بھی شریک ہوتی ہے، لیکن حمل، وضعِ حمل اور رضاعت کی تکلیف تنہا ماں برداشت کرتی ہے۔ نو ماہ تک حمل کا بوجھ اٹھانا، موت و حیات کی کش مکش سے گزر کر بچہ کو جنم دینا اور پھر اپنے خون کو دودھ بنا کر بچہ کو پلانا اور اس پورے عرصہ میں سخت احتیاط کی زندگی گزارنا آسان نہیں ہے۔ اس صعوبت کے برداشت کرنے میں باپ اس کا شریک

ں ہوتا۔ اس لیے اس کا احسان بھی باپ سے زیادہ ہے۔

احادیث میں ماں باپ کی خدمت، اطاعت اور ان سے حسنِ سلوک کی طرف لف پہلوؤں سے توجہ دلائی گئی ہے۔ یہاں بعض وہ حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں، جن ں ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کی طرف متعدد پہلوؤں سے توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے باپ سے حسنِ سلوک کی جس قدر تاکید فرمائی ہے ں سے حسن سلوک پر اس سے زیادہ زور دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

اُوْصِی اِمْرأً بأمِّهٖ اُوْصِیُ امرأً بِاُمِّهٖ وْصِیُ امرأً بأمِّهٖ اُوْصِیُ امرأً بِاَبِیْهٖ [۱]

میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، میں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں تاکید کرتا ہوں۔ میں آدمی کو اس کے باپ کے بارے میں تاکید کرتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

قُلْتُ یَـا رَسُولَ اللّٰـهِ! مَنْ اَعْظَمُ النَّاسِ حقـًا علی المراۃِ قَال زوجُهـَا قُلْتُ مَن اعظَمُ النَّاسِ حقـًـا عَلَی الرَّجُلِ قَالَ اُمُّهَا [۲]

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ) عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے شوہر کا۔ میں نے پوچھا مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس کی ماں کا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ باپ کے مقابلہ میں ماں کم زور ہے، اس لیے ول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ ہوسکتا ہے یہ ت بھی ہو، لیکن اصل وجہ یہ ہے کہ ماں کے احسانات باپ سے زیادہ ہیں اور وہ

---

[۱] ابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالدین۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب البر والصلۃ، یث نمبر ۷۲۴۳

[۲] حاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب البر والصلۃ، حدیث ۷۲۴۴

فی الواقع اس کی مستحق ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ کی جائے۔

۲-قرآن وحدیث سے واضح ہے کہ 'کبائر' یعنی بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اس کے بعد بہت سی احادیث میں ماں باپ کی نافرمانی کا ذکر ہے[۱] اس سے اس کی شناعت واضح ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ ماں کی نافرمانی سے بچنے کی الگ سے بھی تاکید کی گئی ہے اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوقَ الْاُمَّھَاتِ ... وَوَأدَ الْبَنَاتِ[۲]

اللہ نے تم پر حرام ٹھہرائی ہے ماؤں کی نافرمانی ....اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے دس معصیتوں کا ذکر فرمایا اور کہا کہ جب میری اُمت ان کا ارتکاب کرنے لگے گی تو اس پر مصیبتوں اور عذاب کا نزول شروع ہوجائے گا۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

اَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَہٗ وَ عَقَّ اُمَّہٗ وَ بَرَّ صَدِیقَہٗ وَ جَفَا اَبَاہُ

آدمی اپنی بیوی کی بات مانے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا، دوست کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرے گا اور باپ کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا۔

ایک روایت میں والدین کی نافرمانی کو علامات قیامت میں سے ایک علامت قرار دیا گیا ہے[۳] (جب کہ ہر طرف شر ہی شر پھیل جائے گا)۔

۳- ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کو گناہوں کی مغفرت اور حصولِ جنت کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حارثہ بن نعمانؓ اپنی والدہ کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں جنت

---

۱ بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر۔ مسلم کتاب الایمان، باب الکبائر واکبرہا۔
۲ بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین۔ مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب النہی عن کثرۃ المسائل
۳ ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی اشراط الساعۃ

ارہ دیکھا، وہاں میں نے کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا: یہ کس کی
واز ہے؟ بتایا گیا: یہ حارثہ بن نعمان کی آواز ہے۔ اس کے بعد آپ نے صحابہؓ سے
مایا: یہ ہے ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کا ثواب، یہ ہے ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کا
اب[1]

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے
ض کیا: مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہوگیا ہے۔کیا اس سے توبہ کی کوئی شکل ہے؟ آپؐ
نے اس سے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے دریافت
مایا: کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ حسنِ سلوک
رو[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں ہی کی خدمت نہیں، اس کے عزیزوں اور رشتہ داروں
ی خدمت بھی گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا سبب بن جاتی ہے۔

۴- ماں کی خدمت باپ کی خدمت سے بھی مقدم ہے۔ ماں کے بعد ہی
سی دوسرے شخص کا مقام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے
ول اللہ ﷺ سے سوال کیا: من احق بحسن صحابتی ''میرے حسنِ سلوک کا
ب سے زیادہ مستحق کون ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا: اس کے
د کون؟ آپؐ نے فرمایا: تمہاری ماں! اس نے تیسری مرتبہ پوچھا: اس کے بعد کون؟
پ نے اس مرتبہ بھی اسے یہی جواب دیا: تمہاری ماں! چوتھی مرتبہ جب اس نے یہی
ال کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارا باپ[3]

مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، کتاب فی البر والصلۃ بحوالہ شرح السنہ و بیہقی۔ و رواہ الحاکم
المستدرک، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر ۷۲۴۷

ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی برّ الخالۃ۔ حاکم، المستدرک، کتاب البر والصلۃ
یث نمبر ۷۲۶۱

بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب بر الوالدین۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے آپ سے سوال کیا کہ حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے سوال کیا: پھ کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے سہ بارہ یہی سوال کیا۔ آپ نے اس مرتہ بھی یہی جواب دیا۔ چوتھی بار جب اس نے یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: تمہارا باپ اس کے بعد رشتہ میں، جو تم سے جتنا قریب ہو اتنا ہی وہ حسنِ سلوک کا مستحق ہوگا۔[1]

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں: بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ماں اور باپ دونوں حسن سلوک کا برابر استحقاق رکھتے ہیں، لیکن جمہور کے نزدیک ماں کا حق زیادہ ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں: "یہی رائے صحیح ہے، اس لیے کہ صریح احادیث اس کی تائید کرتی ہیں. حارث محاسبی کہتے ہیں: "اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ حسن سلوک کے معاملہ میں ماں حق باپ سے زیادہ ہے۔""[2]

ماں کے ساتھ حسنِ سلوک دو گنا ہونا چاہیے یا تین گنا۔ اس بارے میں مختلف روایات آتی ہیں۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں وہ روایات زیادہ قوی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ انسان کو باپ کے ساتھ جتنا سلوک کرنا چاہیے اس سے تین گ زیادہ ماں کے ساتھ کرنا چاہیے۔[3]

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ باپ کی اطاعت ہوگی اور حکم مانا جائے گا، لیکن جہاں تک حسنِ سلوک کا تعلق ہے چار حصوں میں سے تین ماں کے ہوں گے۔[4]

اسلام نے ماں باپ کے قانونی حقوق ادا کرنے ہی پر زور نہیں دیا، بلکہ ا کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ اس میں جہاں یہ بات داخل ہے کہ ان ۓ قانونی حقوق خوش دلی اور محبت کے ساتھ ادا کیے جائیں اور اسے بوجھ نہ سمجھا جائے

---

[1] ابو داؤد، کتاب الادب، باب بر الوالدین۔ ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی بر الوالدین۔
[2] نووی، شرح مسلم: جلد ۸ جزء ۱۶، ص ۸۳
[3] تفصیل کے لیے دیکھی جائے طحاوی، مشکل الآثار: ۲/ ۲۷۰-۲۷۳
[4] ابن قیم، اعلام الموقعین: ۴/ ۲۷۳

ہیں اس میں یہ بات بھی آتی ہے کہ قانونی حدود سے آگے بڑھ کر ان کے ساتھ وہ بہتر سے بہتر سلوک کیا جائے، جو انسان کے بس میں ہے۔ اس میں بھی ماں کا حق مقدم ہے۔ باپ کے ساتھ، جو رویہ اختیار کیا جاتا ہے اس سے اعلیٰ رویہ ماں کے ساتھ اختیار یا جانا چاہیے۔

وی کے حقوق

اسلام کے نزدیک عورت کا مستقل وجود ہے۔ نکاح کی وجہ سے نہ تو اس کی صیت شوہر کی شخصیت میں گم ہوجاتی ہے اور نہ وہ اس کی محکوم اور غلام ہوتی ہے۔ دی کے بعد جہاں وہ کچھ نئی ذمے داریاں سنبھالتی ہے، وہیں بعض نئے حقوق کی لک بھی ہوتی ہے۔ وہ جس طرح ان ذمے داریوں سے انکار نہیں کرسکتی، اسی طرح اس ے حقوق بھی اس سے نہیں چھینے جاسکتے۔

آیئے یہ دیکھیں کہ اسلام میاں بیوی کے تعلقات کو کس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے ان کے لیے کیا اخلاقی اور قانونی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

۱- میاں بیوی کا تعلق اصلاً اُلفت و محبت کا تعلق ہے۔ عورت اور مرد کے یان اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر جو محبت، کشش اور جاذبیت رکھ دی ہے قرآن مجید ے ایک جگہ اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ نْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝ (الروم:۲۱)

اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اُلفت و محبت

اور ہم دردی و غم خواری کا تعلق ہونا چاہیے۔ یہی ان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر محبت
جگہ نفرت و عداوت نے لے لی ہے تو یہ اس فطرت کے خلاف ہے، جس پر اللہ تعا
نے انہیں پیدا کیا ہے۔

۲- ہر چھوٹے بڑے ادارے کا ایک سربراہ ہوتا ہے، جو اسے چلاتا
خاندان کے تعلقات اور اس کے مسائل دوسرے بہت سے اداروں اور ان کے مسا
سے زیادہ پیچیدہ اور متنوع ہیں۔ کسی سربراہ کے بغیر اس کا نظم باقی رہ ہی نہیں سکتا۔ جب
اس کا کوئی سردھرا اور ذمہ دار نہ ہوگا تو لازماً اس کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اسلام
نزدیک مختلف اسباب کی بنا پر مرد کو خاندان کے سربراہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس
مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد کو اس کی بیوی پر بے قید اور مطلق اقتدار دے دیا گیا ہے
بیوی اس کی محکوم محض ہے، بلکہ عورت پر جہاں یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مر
اپنا بڑا مان کر جائز مطالبات میں اس کی اطاعت کرے اور گھر کے نظم کو ٹھیک رکھ
وہیں وہ اپنے حقوق بھی رکھتی ہے۔ ان حقوق کی ادائیگی مرد کے لیے لازم ہے۔ چناں
قرآن مجید میں ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ

(النسآء: ۳۴)

مرد عورتوں کے سرپرست اور نگراں ہیں۔ اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو نیک بیویاں ہیں وہ اطاعت کرنے والی اور مردوں کے پیچھے ان کی چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہیں جیسے کہ اللہ نے حفاظت فرمائی ہے۔

خاندانی زندگی میں مرد کی برتری کو تسلیم کرکے عورت نان نفقہ، رہائش،
حفاظت و صیانت اور تعلیم و تربیت جیسے بہت سے حقوق سے بہرہ مند ہوتی ہے۔
حقوق کی ادائی میں مرد کوتاہی کرے تو ازروئے قانون وہ انہیں حاصل کرسکتی ہے۔

۳- اسلام نے اس کی ترغیب دی ہے کہ مرد اپنی بیوی کے قانونی حقوق ہی
ادا کرے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرے۔
ی کے ساتھ حسنِ سلوک ہر حال میں مطلوب ہے۔ بعض اوقات بیوی کی شکل و
رت، مزاج اور عادات آدمی کو ناپسند ہوتے ہیں۔ اس کا اثر بالعموم ان کے تعلقات پر
نا ہے۔ اس طرح کے مواقع پر آدمی کو بیوی کے اچھے پہلوؤں کو دیکھنا چاہیے۔ اس کی
ـ بات ناپسندیدہ ہو تو دس باتیں قابلِ تعریف ہوسکتی ہیں۔ اس لیے شرافت و اخلاق
کا نہیں حکمت و دانائی کا بھی تقاضا ہے کہ آدمی گھر کے وسیع مفادات کو سامنے رکھے
تعلقات کو خراب نہ ہونے دے۔ آدمی کو ایک چیز ناگوار ہوتی ہے، لیکن اس میں خیر
، بے شمار پہلو پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس معاملہ میں اسلام نے جس اعلیٰ اور مثالی رویہ کی
ین کی ہے وہ دنیا میں شاید کسی اور جگہ نہیں ملے گی۔ ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۝ (النساء:۱۹)

ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو۔ اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ نے اسی میں بہت سی بھلائی رکھ دی ہو۔

بیوی کے ساتھ جو سلوک ہونا چاہیے اس کی بہترین تشریح رسول اللہ ﷺ کے
ادات میں ملتی ہے۔ حضرت معاویہ قشیریؓ نے آپؐ سے بیوی کے حقوق پوچھے تو فرمایا:

أَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَ تَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلاَ تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلاَ تُقَبِّحْ وَلاَ تَهْجُرْ اِلاَّ فِي الْبَيْتِ[1]

جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، (غصہ سے بے قابو ہوکر) اس کے منہ پر مت مارو اور اس کو برا بھلا مت کہو۔ (اس سے کنارہ کشی ضروری ہوجائے) تو گھر سے مت نکال دو بلکہ گھر ہی کے اندر اس سے علیحدہ رہو۔

یہ حدیث ان الفاظ میں بھی مروی ہے:

---

[1] ابو داؤد، کتاب النکاح، باب فی حق المرأۃ علی زوجھا۔

اَطْعِمُوْهُنَّ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَ اكْسُوْهُنَّ مِمَّا تَكْسُوْنَ وَلاَ تَضْرِبُوْهُنَّ وَلاَ تُقَبِّحُوْهُنَّ[1]

تم جو کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو پہنو وہ ان کو پہناؤ، ان کو مارو نہیں اور نہ بر بھلا کہو۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے انسان کا، جو معیار ہو وہی اس کی بیوی کا بھی ہونا چاہیے۔ خود اعلیٰ معیار کے ساتھ اور اسے کم تر معیار کی زندگی گزارنے پر مجبور کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس ساتھ میل جول اور تعلقات میں شریفوں کا سا برتاؤ ہونا چاہیے۔ جہالت اور بربریت مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

عورت کی کوئی بات ناگوار گزرے تو رسول اللہ ﷺ نے نصیحت فرمائی ہے صبر و تحمل سے کام لیا جائے۔ اس لیے کہ یہ ناگواری بالعموم وقتی اور عارضی ہوتی ہے۔ کی کوئی حرکت ناگوارِ خاطر ہوتی ہے تو کوئی ادا دل کو خوش کرنے والی بھی ہوتی ہے بات بات پر غم و غصہ اور نفرت کا اظہار باہمی تعلقات کو ہمیشہ کے لیے خراب کر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ يَفْرُكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ[2]

کوئی مومن کسی مومنہ (بیوی) سے نفرت کرے۔ اگر اس کی ایک عادت اچھی نہ لگے دوسری اچھی لگے گی۔

بعض اوقات آدمی گھر سے باہر تو حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرتا پھرتا ہے، لیکن بیوی کے ساتھ اس کا رویہ بہت غلط ہوتا ہے۔ حالاں کہ بیوی، جو زندگی بھر کی ساتھی اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کے ساتھ بہترین سلوک کیا جائے۔ حدیث میں اس شخص سب سے اچھا انسان کہا گیا ہے جس کا بیوی کے ساتھ رویہ اچھا ہو۔ حضرت ابو ہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] ابو داؤد، کتاب النکاح، باب فی حق المراۃ علی زوجھا۔

[2] مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء۔

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ خِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِهِمْ[۱]

ایمان والوں میں سب سے کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہیں۔

ایک روایت میں بیوی بچوں کے ساتھ لطف و محبت کو ایک ایسا وصف قرار دیا گیا ہے، جس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ چناں چہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں:

اِنَّ مِنْ اَکْمَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ اَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ[۲]

ایمان والوں میں سب سے کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زیادہ لطف و محبت سے پیش آئے۔

حضرت عائشہؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَهْلِهٖ وَ اَنَا خَیْرُکُمْ لِاَهْلِیْ[۳]

تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہو اور میں بھی اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں۔

۴- اسلام کے نزدیک زوجین کے تعلقات کی معیاری شکل یہ ہے کہ وہ ش مکش اور تنازعات سے پاک ہوں۔ بیوی شوہر کو مسرور و مطمئن رکھنے کی کوشش رے، جائز کاموں میں اس کی اطاعت کرے اور اس کی عزت و ناموس اور مال و ئداد کی حفاظت کرے۔ دوسری طرف شوہر اس طرح کی نیک اور صالح بیوی کو بہترین تاعِ حیات سمجھے اور اس کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرے۔

ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجها۔

ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی استکمال الایمان۔

ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبیؐ، ورواہ ابن ماجہ عن ابن عباسؓ، کتاب النکاح، ب حسن معاشرۃ النساء۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: نیک او صالح عورت کی کیا صفات ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:

اَلَّتِیْ تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ وَ تُطِیْعُهٗ اِذَا اَمَرَ وَلاَ تُخَالِفُهٗ فِیْ مَا یَکْرَهُ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ[1]

جب شوہر اسے دیکھے تو خوش کردے، جب کوئی حکم دے تو مان لے اور اپنے ناموس اور اس کے مال (کی حفاظت کرے اور ان میں) اس کی خلاف ورزی، جسے وہ ناپسند کرتا ہے، نہ کرے۔

حضرت ابو امامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَـا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوٰی اللّٰهِ خَیْرًا لَهٗ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْه وَ اِنْ نَظَرَ اِلَیْهَا سَرَّتْهُ وَ ان اَقْسَمَ عَلَیْهَا اَبَرَّتْهُ وَ اِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِیْ نَفْسِهَا وَ مَالِهٖ[2]

اللہ کے تقویٰ کے بعد ایک مومن جن چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے ان میں صالح بیوی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ ایسی بیوی کہ اسے حکم دے تو اطاعت کرے، دیکھے تو مسرت سے بھردے، کوئی بات قسم دے کر کہے تو اسے پوری کرے اور اس کی غیر موجودگی میں اپنے نفس اور اس کے مال میں خیر خواہی کا رویہ اختیار کرے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْیَا مَتَـاعٌ وَ خَیْرُ مَتَاعِهَـــا اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَـــةُ[3]

یہ دنیا زندگی گزارنے کا سامان ہے۔ اس کا بہترین سامان صالح عورت ہے۔

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اللہ تعالیٰ نے سونے اور چاندی کے جمع کرنے سے تو منع فرما دیا ہے، پھر ہم کس قسم کا مال اپنے پاس رکھیں؟ آپؐ نے فرمایا:

---

[1] مسند احمد، مسند ابی ھریرۃ، حدیث نمبر ۷۳۲۳۔ نسائی، کتاب النکاح، باب ای النساء خیر۔

[2] ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب افضل النساء۔

[3] مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب افضل النساء۔

لِيَتَّخِذْ اَحَدُكُمْ قَلْبًا شَاكِرًا وَ لِسَانًا ذَاكِرًا وَ زَوْجَةً مُّؤْمِنَةً تُعِيْنُ اَحَدَكُمْ عَلٰى اَمْرِ الْاٰخِرَةِ[1]

تم میں سے ہر کسی کو شکر گزار دل، اللہ کو یاد کرنے والی زبان اور مومن بیوی جو آخرت کے کاموں میں اس کی مدد کرے، اپنے پاس رکھنا چاہیے (یہی سب سے بڑی دولت ہے)۔

اس سے بہ آسانی تصور کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میاں بیوی کے درمیان کس قسم کے تعلقات دیکھنا چاہتا ہے۔ اس طرح کے تعلقات پائے جائیں تو دونوں ایک دوسرے کے معاون اور بہی خواہ ہوں گے، ان کی زندگی خوش گوار اور مثالی ہوگی اور حقوق و ختیارات کے وہ ناپسندیدہ مسائل، جن کی وجہ سے خانگی زندگی تباہ و برباد ہوجاتی ہے، بھی کھڑے نہ ہوں گے۔

ڑکی سے محبت اور اس کے تقاضے

دورِ جاہلیت میں لڑکے بہت بڑا سرمایہ سمجھے جاتے تھے اور ان کے وجود پر فخر کیا جاتا تھا، اس لیے کہ ان سے قبیلہ کی قوت میں اضافہ ہوتا اور معاشی تگ و دو میں وہ عاون اور مددگار ہوتے تھے، لیکن لڑکیاں اہل عرب کے لیے ایک بوجھ تھیں۔ ان کو وہ وجبِ عار سمجھتے اور ان کے ذکر ہی سے ان کا سرِ شرم سے جھک جاتا تھا۔ قرآن مجید نے لڑکیوں کے بارے میں ان کے جذبات کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَ يُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ (النحل:۵۸،۵۹)

جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم سے گھٹنے لگتا ہے۔ اس خبر بد کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور اس سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ) آیا ذلت برداشت کرتے ہوئے اسے باقی رکھے یا مٹی کے نیچے دفن کردے۔

ان مکروہ جذبات کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ بعض قبائل لڑکیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے۔ قرآن مجید نے 'قتل اولاد' کی سخت مذمت کی، اسے ایک سنگین جرم قرار دیا اور ہمیشہ

---

[1] ترمذی، کتاب التفسیر (سورۃ التوبۃ)۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب افضل النساء

کے لیے اسے ختم کردیا۔ اس نے کہا کہ قیامت کے روز اس شقاوت اور سنگ دلی کا خد
کو جواب دینا ہوگا۔ فرمایا:

وَ اِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ ۙ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۚ (التکویر:۸،۹)

اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ اس لڑکی سے پوچھا جائے گا جسے زندہ دفن کیا گیا تھا کہ کس جرم میں اسے مارا گیا۔

اسلام نے لڑکیوں کے بارے میں جاہلیت کے جذبات کے بالکل برعکس جذبات پیدا کیے۔

۱- اس نے پہلی بات یہ کہی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ کسی کو اولاد سے نوازتا ہے اور کسی کو اس سے محروم کردیتا ہے، کسی کو صرف لڑکے عطا کرتا ہے اور کسی کو صرف لڑکیاں، کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہی دیتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی صورت نہ تو باعثِ افتخار ہے اور نہ ذلت و رسوائی کا سبب۔ یہ سب کچھ خدا کی قدرت کے مظاہر ہیں اور ان کے پیچھے خدا کا بے پایاں علم اور حکمت کام کرتی ہے، جو لوگ اسے عزت ذلت کا معیار سمجھتے ہیں وہ اس کی حکمت پر حرف گیری کرتے ہیں۔ فرمایا:

لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ۙ اَوۡ یُزَوِّجُہُمۡ ذُکۡرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجۡعَلُ مَنۡ یَّشَآءُ عَقِیۡمًا ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ۙ (الشوریٰ:۴۹،۵۰)

اللہ ہی کے لیے ہے آسمان اور زمین کی بادشاہت۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے۔ یا انہیں لڑکوں اور لڑکیوں کے جوڑے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ بے شک وہ علم والا اور قدرت والا ہے۔

۲- لڑکیوں کی پرورش کی ترغیب دی گئی۔ اسے کارِ ثواب اور حصولِ جنت کا بہت بڑا ذریعہ قرار دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ بُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ شَیْئًا فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ له سِترا من النار[1]

اللہ تعالیٰ جس شخص کو ان لڑکیوں کے ذریعہ کچھ بھی آزمائش میں ڈالے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو وہ اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

احادیث میں دو تین لڑکیوں بلکہ ایک لڑکی کی پرورش پر بھی جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ اس سے اس شخص کے اجر وثواب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جسے تین سے بھی زیادہ بچیوں کی نگہ داشت کرنی پڑے حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ کَانَتْ لَهٗ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَیْهِنَّ فَاَطْعَمَهُنَّ وَ سَقَاهُنَّ وَ کَسَاهُنَّ مِنْ جِدَّتِهٖ کُنَّ لَهٗ حِجَابًا مِّنَ النَّارِ[2]

جس شخص کے تین لڑکیاں ہوں، وہ ان کے سلسلے کی پریشانیوں پر صبر کرے اور اپنی محنت کی کمائی سے ان کو کھلائے، پلائے اور پہنائے تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَنَا وَهُوَ هٰکَذَا

جو شخص دو بچیوں کی ان کے جوانی کو پہنچنے تک پرورش کرے گا قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح (مل کر) آئیں گے۔

یہ کہہ کر آپ نے دو انگشت ہائے مبارک کو ملا کر دکھایا۔[3]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ کُنَّ لَهٗ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلٰی لَاْوَائِهِنَّ وَ ضَرَّائِهن اَدْخَلَهٗ

جس کسی کے تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان کے سلسلے کی تکلیفوں اور معاشی پریشانیوں پر صبر کرے تو ان کے ساتھ اس کی ہم دردی کی وجہ سے

---

1. بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد وتقبیلہ الخ۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الاحسان الی البنات۔
2. مسند احمد: حدیث عقبہ بن عامر، حدیث نمبر ۱۶۹۵۰۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، باب برّ الوالد والاحسان الی البنات۔
3. مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات۔

اللّٰہُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهٖ ایاھن قَالَ: فَقَالَ رَجُلٌ وَ ابْنَتَانِ یا رسول الله؟ قال و ان ابنتان قَالَ رَجُلٌ یَا رسُولَ اللّٰهِ وَ وَاحِدَةٌ؟ قَالَ: و وَاحِدَةٌ[1]

اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ فرماتے ہیں اس پر ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ، اگر کسی کے دو لڑکیاں ہوں (اور وہ ان کے سلسلہ میں تکلیف برداشت کرے تو؟) آپ نے فرمایا، دو لڑکیاں ہوں تو بھی (اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا)۔ ایک شخص نے کہا اگر ایک ہو؟ آپ نے فرمایا ایک ہو تو بھی۔

۳- احادیث میں اس بات کی بھی ترغیب دی گئی ہے کہ بچیوں کی پرورش کے ساتھ ان کو اچھی تعلیم و تربیت دی جائے، ان کا مناسب رشتہ کیا جائے اور اس کے بعد بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک جاری رکھا جائے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَالَ ثَلاثَ بَنَاتٍ فَاَدَّبَهُنَّ وَ زَوَّجَهُنَّ وَ اَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ[2]

جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کو تعلیم و تربیت دی، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ (بعد میں بھی) حسن سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔

۴- عام طور پر لڑکوں سے زیادہ محبت کی جاتی ہے۔ غذا، لباس، علاج اور تعلیم و تربیت جیسے امور میں ان کے ساتھ ترجیحی سلوک ہوتا ہے۔ یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهٗ اُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَيْهَا يَعْنِي الذُّكُوْرَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ[3]

جس شخص کے لڑکی ہو وہ نہ تو اسے زندہ درگور کرے اور نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

---

[1] حاکم، المستدرک، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر ۷۳۴۶۔ ۴/ ۱۹۵

[2] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامیٰ۔

[3] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامیٰ۔ الحاکم، المستدرک: کتاب البر والصلة حدیث نمبر ۷۳۴۸۔

ان احادیث میں لڑکیوں کی پرورش، تعلیم و تربیت، شادی بیاہ اور ان کے ساتھ
ساوی سلوک پر جہنم سے نجات پانے اور جنت کے ملنے کی خوش خبری دی گئی ہے۔ جس
خص کو خدا اور آخرت پر یقین نہیں ہے اور جو اس دنیا ہی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہے وہ
ذ اس کی اہمیت محسوس نہیں کرسکتا، لیکن ایک مومن کا مطمحِ نظر ہی آخرت کی کامیابی ہوتا
ہے، اس کے لیے اس بشارت میں وہ سب کچھ ہے، جو وہ چاہتا ہے۔

اس ترغیب کے ساتھ بچیوں کے بارے میں یہ تصور بھی ذہن نشیں کیا گیا
کہ وہ جیسا کہ دنیا سمجھتی ہے، بے حیثیت اور کم قیمت نہیں ہیں، بلکہ وہ قدرت کا
گراں مایہ عطیہ ہیں۔ ان کے اندر، جو انس اور محبت ہوتی ہے وہ لڑکوں میں نہیں ہوتی۔
حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ تَكْرَهُوا الْبَنَاتِ فَإِنَّهُنَّ الْمُؤْنِسَاتُ الْغَالِيَاتُ[1]

لڑکیوں سے نفرت مت کرو۔ وہ تو غم خوار اور بڑی قیمتی ہیں۔

لڑکی کے ساتھ حسنِ سلوک کی یہ وہ تعلیم ہے جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ اسلامی
انون کی رو سے اولاد اگر صاحبِ حیثیت نہیں ہے اور اس کے پاس کوئی جائز ذریعہ بھی
ہیں ہے تو باپ پر اس کا نفقہ واجب ہو جاتا ہے۔ اس اصول کے تحت لڑکوں کی طرح
ڑکیوں کا نفقہ بھی اس پر واجب ہے۔ لڑکی کا نفقہ اس کی شادی تک باپ پر اور باپ کی
رم موجودگی میں اس کے قریب ترین رشتہ دار پر ضروری ہے۔ شادی کے بعد شوہر اس
کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ شوہر کا انتقال ہو جائے یا وہ اسے طلاق دے دے اور
ورت معاشی لحاظ سے خود کفیل نہ ہو تو اس کی اولاد پر اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں
پ یا دوسرے قریبی رشتہ داروں پر اس کی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ یہ اس کا قانونی
ت بھی ہے اور حدیث میں اس کی بڑی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت سراقہ بن

---

[1] مسند احمد: حدیث عقبہ بن عامر، حدیث ۱۶۹۲۲۔ قال المناوی اسنادہ حسن۔ التیسیر بشرح
جامع الصغیر: ۲/ ۴۹۸

مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا:

اَلاَ اَدُلُّکَ عَلٰی اعظَمِ الصَّدقۃِ — کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: حضور! (ﷺ) ضرور بتایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِبنَتُکَ مَردُودَۃٌ اِلَیکَ لَیسَ لَهَا کَاسِبٌ غَیرُکَ[۱] — اپنی اس بچی پر احسان کرنا جو (بیوہ ہونے یا طلاق دیے جانے کی وجہ سے) تیری طرف لوٹا دی گئی ہو اور تیرے سوا کوئی دوسرا اس کا کمانے والا نہ ہو۔

صحابہ کرامؓ اپنی بیوہ اور مطلقہ لڑکیوں کا کس حد تک خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اپنے کچھ مکانات وقف کیے تھے۔ اس وقف کی تفصیلات میں یہ بات بھی داخل تھی:

لِلْمَردُودَۃِ مِن بَنَاتِہٖ اَن تَسکُنَ غَیرَ مُضِرَّۃٍ وَّلاَ مُضَرٌّ بِهَا فَاِنِ استَغنَتْ بِزَوجٍ فَلَیسَ لَهَا حَقٌّ[۲] — ان کی جو لڑکی (طلاق یا بیوگی کی وجہ سے) واپس گھر آجائے گی وہ ان میں رہے گی۔ نہ وہ نقصان پہنچائے گی اور نہ اُسے نقصان پہنچایا جائے گا۔ پھر اگر شوہر کی وجہ سے وہ اس سے بے نیاز ہوجائے تو اس کا ان میں کوئی حق نہیں ہوگا۔

بہن کی خدمت اور کفالت

عورت کی ایک حیثیت بہن کی ہے۔ بھائی اور بہن کا رشتہ خونی رشتہ ہے۔ ان کے درمیان فطری طور پر محبت و الفت کے جذبات پائے جاتے ہیں اور ان کا تعلق مثالی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن خاندانی زندگی میں اس کی اہمیت پوری طرح نہیں محسوس کی جاتی۔ اسلام نے اس رشتہ کو مضبوط کیا ہے۔ بعض اوقات بہن کو بھائی کی مدد اور تعاون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کا پورا کرنا بڑے اجر و ثواب کا باعث اور جنت تک

۱۔ مسند احمد، حدیث سراقہ بن مالک، ۱۷۱۳۶۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، باب برّ الوالد والاحسان الی البنات۔ حاکم، المستدرک، کتاب البر والصلۃ۔ حدیث نمبر ۷۳۴۵

۲۔ بخاری، کتاب الوصایا، باب اذا وقف ارضا او بئرا واشترط الخ۔

سائی کا ذریعہ ہے۔ حدیث میں بیٹی کی طرح بہن کی پرورش، تعلیم و تربیت اور شادی کی غیب دی گئی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

لَا يَكُوْنُ لِاَحَدِكُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ اَوْ ثَلَاثُ اَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ اِلَيْهِنَّ اِلاَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ[1]

تم میں سے جس کے تین لڑکیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو جنت میں ضرور داخل ہوگا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں دو لڑکیوں اور دو بہنوں ل خدمت اور حسن سلوک پر جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَهُ ثَلَاثُ بَنٰتٍ اَوْ ثَلَاثُ اَخَوَاتٍ اَوْ اِبْنَتَانِ اَوْ اُخْتَانِ فَاَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَ اتَّقَى اللّٰهَ فِيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ[2]

جس کسی کے تین لڑکیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو لڑکیاں اور دو بہنیں ہی ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھی رفاقت اختیار کرے اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرے تو اس کے لیے جنت ہے۔

ایک روایت میں بیٹیوں اور بہنوں کی کفالت اور نگہ داشت پر جنت میں سول اللہ ﷺ کی رفاقت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

مَنْ عَالَ اِبْنَتَيْنِ اَوْ ثَلَاثَ بَنَاتٍ اَوْ اُخْتَيْنِ اَوْ ثَلَاثَ اَخَوَاتٍ حَتّٰى يَمُتْنَ اَوْ يَمُوْتُ عَنْهُنَّ كُنْتُ اَنَا وَ هُوَ هَاتَيْنِ وَ اَشَارَ بِاِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى[3]

جس نے دو یا تین لڑکیوں کی یا دو یا تین بہنوں کی پرورش کی، یہاں تک کہ وہ انتقال کر جائیں یا ان کو چھوڑ کر وہ خود انتقال کر جائے تو میں اور وہ جنت میں اس طرح (قریب) ہوں گے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنی دو انگلیوں، شہادت کی انگلی اور درمیان کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات۔

[2] حوالہ سابق۔

[3] مسند احمد: مسند انس بن مالک، حدیث نمبر ۱۲۰۸۹۔

مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَهُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَهُنَّ وَ رَحِمَهُنَّ حَتّٰى يُغْنِيَهُنَّ اللّٰهُ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ

جو شخص تین لڑکیوں کی یا ان جیسی تین بہنوں کی پرورش کرے، ان کو ادب اور سلیقہ سکھائے، ان کے ساتھ شفقت و محبت کا سلوک کرے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بے نیاز کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کردے گا۔

یہ ثواب سن کر ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر کوئی لڑکیوں یا بہنوں کی اسی طرح خدمت کرے تو کیا اسے بھی یہی ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! دو پر بھی یہی ثواب ملے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ اگر وہ ایک کے بارے میں سوال کرتا تو بھی آپ یہی جواب دیتے۔[1]

یہ احادیث بتاتی ہیں کہ ایک لڑکی یا ایک بہن کی پرورش اور تعلیم و تربیت سے بھی آدمی جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ایک سے زیادہ کا بوجھ اٹھائے تو امید ہے اس کے درجات اور بلند ہوں گے۔

آدمی کو طبعی طور پر بہن سے وہ تعلق خاطر نہیں ہوتا، جو بیٹی سے ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی فکر بھی اسے کم ہوتی ہے۔ ان احادیث میں بتایا گیا ہے کہ بیٹی کے ساتھ حسن سلوک اور اس کی ضروریات کی تکمیل کا، جو اجر و ثواب ہے، بہن سے حسن سلوک اور اس کی خدمت کا بھی وہی اجر و ثواب ہے۔ اس لیے بہن کے سلسلے میں آدمی کے وہ جذبات ہونے چاہئیں جو بیٹی کے سلسلے میں ہوتے ہیں۔ اس تعلیم کے، جو اثرات رو ہوئے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے:

حضرت عبد اللہ بن حرام انصاریؓ کا واقعہ ہے کہ انھوں نے جنگِ احد میں شرکت کا ارادہ کیا تو اپنے بیٹے حضرت جابرؓ سے کہا: بیٹے! خیال ہو رہا ہے کہ اس جنگ میں جو لوگ سب سے پہلے اپنی جان کی بازی لگائیں گے میں بھی ان میں ہوں گا۔ مج

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب فی البر والصلۃ بحوالہ شرح السنۃ۔

قرض ہے۔ میرے بعد اسے ادا کردو اور میں وصیت کرتا ہوں کہ تم اپنی بہنوں کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔[1]

اس وقت حضرت جابرؓ جوان تھے، لیکن انہوں نے ایک بیوہ کو اپنے نکاح کے لیے منتخب کیا۔ نبی ﷺ نے ان کی عمر کی رعایت سے دریافت کیا:

هَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَ تُلَاعِبُكَ وَ تُضَاحِكُهَا وَ تُضَاحِكُكَ

تم نے کسی جوان لڑکی سے کیوں نہیں شادی کی کہ تم اس کے ساتھ کھیل کرتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیل کرتی۔ تم اس سے ہنسی مذاق کرتے اور وہ تمہارے ساتھ ہنسی مذاق کرتی۔

حضرت جابرؓ نے جواب دیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِیْ قُتِلَ يَوْمَ اُحُدٍ وَ تَرَكَ تِسْعَ بَنَاتٍ كُنَّ لِیْ تِسْعَ اَخَوَاتٍ فَكَرِهْتُ اَنْ اَجْمَعَ اِلَيْهِنَّ جَارِيَةً خَرْقَاءَ مِثْلَهُنَّ وَلٰكِنْ اِمْرَاَةً تَمْشِطُهُنَّ وَ تَقُوْمُ عَلَيْهِنَّ قَالَ اَصَبْتَ۔[2]

یا رسول اللہ! میرے والد اُحد کے معرکے میں شہید کردیے گئے اور اپنے پیچھے نو لڑکیاں چھوڑ گئے، جو میری نو بہنیں ہوئیں۔ ان کی نگہ داشت کے پیش نظر میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ ان کے ساتھ ان ہی جیسی ناتجربہ کار لڑکی کو جمع کردوں۔ اس لیے ایک ایسی عورت کا انتخاب کیا جو ان کی کنگھی چوٹی اور دیکھ بھال کرسکتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ٹھیک کیا تم نے۔

یہ دراصل اسلامی تعلیم کا کرشمہ تھا کہ ایک نوجوان جس کے سینہ میں جذبات کا سمندر متلاطم ہو اور جس کا نوخیز شباب اپنے ہم عمر جوڑے کا طالب ہو وہ بہنوں کی خاطر اپنے جذبات کی آسودگی کا ایسا حل تلاش کرتا ہے، جسے جوانی کی سرمستیاں بآسانی قبول نہیں کرسکتیں۔

بہن کے ساتھ الفت ومحبت کا زبان سے اظہار تو آسان ہے، لیکن جب تک

---

1. ابن اثیر الجزری، اسد الغابۃ: ۳/ ۳۴۴
2. بخاری، کتاب المغازی، اِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ، نیز کتاب النفقات۔ مسلم کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح البکر۔

رضائے الٰہی کا جذبہ اور آخرت کے اجر و ثواب پر یقین نہ ہو اس طرح کی قربا
آسان نہیں ہے۔

اسلام نے وقت ضرورت بہن کی کفالت۔اور تعلیم و تربیت کی ترغیب ہی نہید
دی، بلکہ بھائی اور بہن کے قانونی حقوق بھی رکھے ہیں۔ وہ بعض حالات میں وراثہ
میں ایک دوسرے کے حق دار ہوتے ہیں اور ان پر ان کی کفالت بھی لازم آتی ہے۔
وہ اقدام ہے، جس کا عورت کی تاریخ میں کہیں ثبوت نہیں ہے۔



مسلمان عورت کی تاریخ

(ایمان اور عبادت کے نقوشِ تاباں)

موجودہ دور میں عورت کی 'ترقی' کا بڑا چرچا ہے، لیکن اس 'ترقی' کے لیے اسے
ں قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ اس نے گھر اجاڑا اور بازاروں کو رونق دی۔ گھر اور
مدان کے کھنڈرات پر اس کی ترقی کا محل تعمیر ہوا۔ اس کے بالکل برعکس مسلمان خواتین
، خانگی ذمہ داریوں کو سنبھالتے اور ان کا حق ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا اپنا
ر و پیمان پورا کیا اور اس سے اپنا روحانی تعلق مستحکم رکھا۔ اس کے ساتھ علمی، سماجی اور
ی سطح پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔ یہاں پہلے دین پر ان کی استقامت اور
دات سے ان کے شغف کا کسی قدر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

...لِ اسلام میں سبقت

اسلامی تاریخ عورتوں اور مردوں نے مل کر بنائی ہے۔ اگر اس سے عورتوں کا
۔ نکال دیا جائے تو وہ ادھوری اور ناقص رہ جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی
ت دی تو مردوں کے ساتھ عورتوں نے بھی آگے بڑھ کر اسے قبول کیا۔ اس کے لیے
ربار چھوڑا، عزیزوں اور رشتہ داروں سے جدا ہوئیں اور ہر طرح کی تکلیفیں برداشت
ں۔ لیکن آزمائشوں کے اس طوفان میں پہاڑ کی طرح جمی رہیں، جان و مال کی

قربانی دی اور مقبولیت کی دعا مانگتے اور توبہ و استغفار کرتے ہوئے آگے بڑھیں
اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سنیں، مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی جنت کی خوش خبری د
اور دونوں کو اپنے الطاف و انعامات کا مستحق ٹھہرایا۔ ارشاد ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ (آل عمران:١٩٥)

ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ضائع نہیں کروں گا۔ تم سب ایک دوسرے سے ہو۔ پس جنھوں نے ہجرت کی، جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے، جو میرے راستے میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے تو میں ان کے گناہوں کو معاف کردوں گا اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کا بدلہ ہے اور اللہ ہی کے پاس بہترین بدلہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اعلانِ رسالت کے فوراً بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ ع
اسلام لے آئیں۔ اس طرح سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لانے کا شرف ایک خاتون
حاصل ہوا۔ علامہ ابن اثیرؒ کہتے ہیں:

اَوَّلُ خَلْقِ اللّٰهِ اَسْلَمَ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِیْنَ لَمْ یَتَقَدَّمْهَا رَجُلٌ وَلَا اِمْرَأَةٌ[1]

وہ خلقِ خدا میں سب سے پہلے اسلام لانے والی خاتون تھیں۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اس معاملہ میں نہ تو کسی مرد نے اور نہ کسی عورت نے ان سے سبقت کی۔

---

[1] ابن الاثیر الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ: ۷/ ۸۰۔

حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے سے بھی پہلے اسلام لانے والوں
امام ذہبیؒ نے 'اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ' (سب سے پہلے اسلام لانے والے) میں شمار کیا
ہے۔ یہ اکیاون (۵۱) افراد تھے۔ ان ہی باہمت نفوس میں ذیل کی خواتین بھی شامل ہیں۔
حضرت خدیجہؓ، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، اسماء بنت سلامہؓ، اسماء بنت عمیسؓ،
لمہ بنت المجللؓ، فاکہہ بنت یسارؓ، رملہ بنت ابی عوفؓ، امینہ بنت خلفؓ۔[1]

ین پر استقامت

مکہ میں، جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے اور توحید کا اعلان کرتے ان کو
ی سخت آزمایشوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ غلاموں اور لونڈیوں کا چوں کہ کوئی محافظ اور
سان حال نہیں ہوتا تھا، اس لیے ان کو زیادہ ستایا اور پریشان کیا جاتا تھا۔ ان کو
ں طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں، اس کے تصور ہی سے روح
نپ جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود دنیا نے ان کی استقامت کا حیرت انگیز منظر
ھا۔ ان میں سے جس نے بھی اسلام قبول کیا اس کے پائے ثبات میں ذرہ برابر
ش نہ آئی۔

مکہ کے ابتدائی دور میں جن باسعادت اور باہمت نفوس نے ایمان قبول کیا تھا،
میں عمار بن یاسرؓ کا خاندان بھی تھا۔ عین دوپہر کے وقت اس خاندان کے افراد کو تپتی
ں ریت پر ڈال دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ گزرتے اور تسلی دیتے کہ یاسر کے خاندان
! صبر کرو۔ جنت میں ملاقات ہوگی۔ عمار بن یاسرؓ کی والدہ کا نام سمیہ تھا۔ یہ ابو حذیفہ
مغیرہ کی باندی تھیں۔ بوڑھی اور ضعیف ہو چکی تھیں۔ اس بوڑھی جان کو ہر طرح کی
ت دی جاتی تھی، لیکن کوئی بھی اذیت انھیں اپنے دین و ایمان سے نہ پھیر سکی۔ ایک
ابوجہل نے اسی جرمِ حق کی پاداش میں شرم گاہ میں نیزہ مار کر انہیں شہید کر دیا۔ یہ

---

[1] ہبی، سیر اعلام النبلاء: ۱۰/ ۹۹-۱۰۱۔

پہلی شہادت تھی، جو حضور اکرم ﷺ کے پیغام پر لبیک کہنے کے نتیجے میں کسی کو نصیب
ہوئی۔ حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں:

اَوَّلُ شَهِيدٍ اُسْتُشْهِدَ فِي الْإِسْلَامِ سُمَيَّةُ اُمُّ عَمَّارٍ[1]

عمارؓ کی والدہ سمیہؓ اسلام (کی راہ) میں شہادت پانے والوں میں پہلی شہیدہ ہیں۔

زنیرہؓ ایک رومی لونڈی تھیں۔ اسلام لانے کے بعد ان کو بڑی سخت سزائیں د
جاتی تھیں۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا تو انھیں اس سے نجات ملی
اتفاق کی بات کہ اسی دوران میں ان کی بینائی ختم ہوگئی۔ مشرکین طعنہ دینے لگے کہ لا
وعزیٰ نے اسے اندھا کر دیا ہے، لیکن اس اللہ کی بندی کے یقین و ایمان میں کو
تزلزل نہ آیا۔ انھوں نے کہا: ''تم جھوٹ بولتے ہو۔ لات وعزیٰ نفع یا نقصان کچھ نہ
پہنچا سکتے۔'' ان کی یہ بات اللہ کو اس قدر پسند آئی کہ روشنی بحال ہوگئی۔[2]

بنی مؤمل کی ایک لونڈی اس وقت اسلام قبول کر چکی تھیں، جب کہ ا
حضرت عمرؓ حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ اسے اسلام سے پھیرنے
لیے سخت سزا دیتے تھے۔ جب تھک جاتے تو کہتے کہ یہ نہ سمجھو کہ اب نجات مل گئی۔
آرام کرلوں تو پھر تمہاری مرمت کروں۔ حضرت عمرؓ کی یہ سختی بھی اسے اسلام کی راہ
ہٹا نہ سکی۔ وہ صرف یہ کہتی: اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ بھی یہی کچھ کرے۔ اس عذاب
اسے اس وقت نجات ملی جب کہ حضرت ابوبکرؓ نے اسے خرید کر آزاد کیا۔[3]

علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں: حضرت بلالؓ کی والدہ کا نام حمامہ تھا۔ قبولِ اس

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸ / ۲۶۴-۲۶۵۔

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱ / ۳۵۵۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۷ / ۱۲۴۔ ابن حجر، الاصابہ فی ت
الصحابہ: ۸ / ۱۵۰-۱۵۱۔

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱ / ۶۵۳۔

وجہ سے (حضرت بلالؓ کی طرح) ان کو بھی سخت سزا دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے
افراد کو خرید کر آزاد کیا، ان میں ان کا شمار ہوتا ہے[1]

ام عُبیسؓ بنو تیم بن مرہ یا بنو زہرہ کی باندی تھیں۔ اسلام لانے کی وجہ سے ان
ی سخت تکلیف پہنچائی جا رہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے انھیں خرید کر آزاد کیا[2]

حواء بنت زید بن سکنؓ ہجرت سے بہت پہلے مدینہ میں مسلمان ہو چکی تھیں،
ں ان کے شوہر قیس بن حطیم نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ انہیں بری طرح پریشان
تے تھے، پھر بھی وہ ثابت قدم رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں اس کی اطلاع ملی۔
باز کے میلہ میں قیس بن حطیم آئے تو آپؐ نے ان سے ملاقات کی اور اسلام پیش
لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ جب سے تمہاری
نے تمہارا دین چھوڑا ہے تم اس کے ساتھ برا سلوک کر رہے ہو۔ اللہ سے ڈرو۔ اس
ہ میں میری باتوں کا خیال رکھو اور اس سے تعرض نہ کرو۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ
بیوی کو پریشان نہیں کریں گے۔ پھر مدینہ پہنچ کر انھوں نے بیوی سے آپؐ کی
ت کا ذکر کیا اور کہا کہ تم اپنے دین پر عمل کرو۔ میں تم سے تعرض نہیں کروں گا[3]

حضرت امّ حبیبہ بنت ابی سفیانؓ اور ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش مکہ کے
ؐ دور ہی میں اسلام لے آئے اور دونوں نے حبشہ ہجرت کی۔ لیکن وہاں پہنچ کر
للہ بن جحش نے نصرانیت اختیار کر لی۔ پردیس میں حضرت امّ حبیبہؓ کے لیے یہ بڑی
ش کا وقت تھا، لیکن وہ اپنے دین پر ثابت قدم رہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ
نکاح کا پیغام بھیجا اور وہ آپؐ کے عقد میں آ گئیں[4]

ن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۱۸۷۲۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، ۷/ ۱۷۱۔ ابن حجر، الاصابۃ: ۸/ ۸۸۔
ن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۳۵۵۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/ ۴۳۴۔
بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۳۲۳، ۳۲۴۔ ان کے اور شوہر کے نسب میں کسی قدر
ـ ہے۔ اسد الغابہ: ۷/ ۷۵، ۷۶۔
ن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۹۶، ۹۷۔ ابن اثیر جزری، اسد الغابہ: ۷/ ۳۰۳۔

ذوقِ عبادت

عبادت دین کی جان ہے۔ یہ خدا سے بندہ کے تعلق کا اظہار ہے۔ عبادت
اہتمام خدا سے تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ عبادت میں غفلت اور کوتاہی اس تعلق کو کم
سے کم زور تر کرتی چلی جاتی ہے۔ اس پر قابو نہ پایا جائے تو اللہ تعالیٰ سے انسان کا ر
ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ دورِ اول کے مردوں کی طرح خواتین میں بھی عبادت کا بڑا ذوق
امہات المومنین اس میں بہت نمایاں تھیں۔

ام المومنین حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے بارے میں حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

كَانَتْ اِمْرَأَةً صَالِحَةً صَوَّامَةً قَوَّامَةً[1]

وہ صالحہ، بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور بہت شب زندہ دار خاتون تھیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

مَا رَأَيْتُ اِمْرَأَةً قَطُّ خَيْرًا فِي الدِّيْنِ مِنْ زَيْنَبَ وَ اَتْقٰى لِلّٰهِ وَ اَصْدَقَ حَدِيْثًا وَ اَوْصَلَ لِلرَّحِمِ وَ اَعْظَمَ صَدَقَةً[2]

میں نے تقویٰ میں، راست گفتاری، صلہ رحمی اور صدقہ وخیرات میں ان سے بہتر کوئی عورت نہیں دیکھی۔

ایک موقعے پر خود رسولِ اکرم ﷺ نے ان کی نیکی اور خدا ترسی کی شہادت دی
چناں چہ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

اِنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ اَوَّاهَةٌ[3]

زینب بنت جحش خشوع وخضوع والی اور اللہ سے ڈرنے والی ہیں۔

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۱۰۳

[2] ابن عبد البر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: ۴/ ۴۰۷۔

[3] ابن عبد البر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: ۴/ ۴۰۸۔

ماز کا اہتمام

عبادات میں نماز کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ اس کے کچھ شرائط اور آداب
ہں۔ ان کی رعایت کے بغیر نہ تو اس کا حق ادا ہوسکتا ہے اور نہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا
اسکتا ہے۔ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اسے وقت پر ادا کیا جائے۔ ایک
صاری خاتون امّ انسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ عشاء سے پہلے ہی مجھ
نیند کا غلبہ ہوجاتا ہے (اس لیے نماز کے چھوٹ جانے کا ڈر رہتا ہے)۔ آپؐ نے
رمایا: امّ انس! نماز جلدی پڑھ لیا کرو۔ جب رات کی تاریکی ہر طرف چھا جائے تو عشاء
وقت ہو جاتا ہے۔ اس وقت تم نماز پڑھ لو۔ تمھیں کوئی گناہ نہ ہوگا[1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نماز کا کس قدر اہتمام کرتی تھیں۔ انھیں اس
ت کی فکر تھی کہ کہیں ان کی نماز قضا نہ ہونے پائے۔

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات میں جب بھی میں حضرت
درداءؓ سے ملنے گیا تو ان کو حالت نماز ہی میں دیکھا[2]

ماز باجماعت میں شرکت

عورتوں کے لیے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ ان کے
یے زیادہ پسندیدہ یہی ہے کہ وہ گھروں میں نماز ادا کریں، لیکن جماعت کے بڑے فوائد
ں۔ اگر حالات اجازت دیں اور کسی اخلاقی خرابی کا اندیشہ نہ ہو تو وہ مسجد میں نماز ادا
رسکتی ہیں۔ اسی وجہ سے شریعت نے ایک طرف تو ان کو گھر پر نماز پڑھنے کی ترغیب دی
، دوسری طرف مردوں سے کہا کہ عورتیں مسجد جانا چاہیں تو انھیں منع نہ کریں۔
نرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] ابن اثیر جزری، اسد الغابہ: ۷/۲۸۹۔ ابن حجر، الاصابہ: ۸/۳۵۷۔

[2] نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/۳۶۱۔

إِذَا اسْتَأْذَنَتْ اَحَدَكُمْ اِمْرَأَتُهُ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعُهَا[1]	تم میں سے کسی سے اس کی عورت مسجد جانے کے لیے اجازت طلب کرے تو اسے منع نہ کرے۔

یہی حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے:

لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ[2]	مسجدوں میں عورتوں کا جو حصہ ہے اس سے انھیں مت روکو۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَ بُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ[3]	اپنی عورتوں کو مسجد جانے سے منع نہ کرو لیکن ان کے گھر ہی ان کے لیے بہتر ہیں۔

یہ اجازت زیادہ تر عشا اور فجر سے متعلق ہے، اس لیے کہ یہ حدیث ان الفا کے ساتھ بھی مروی ہے:

إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ بِاللَّيْلِ اِلَى الْمَسْجِدِ فَأْذَنُوهُنَّ[4]	جب تمہاری عورتیں رات میں مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں خاص طور پر عشا ا فجر میں عورتوں کو جماعت میں شرکت کی اجازت تھی۔ روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فی الواقع وہ ان نمازوں میں شریک ہوتی تھیں۔ ذیل میں اس سلسلے کی بعض روایات پیش کی جا رہی ہیں۔

---

1. بخاری، کتاب الاذان، باب استیذان المرأۃ زوجہا۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء الی المساجد الخ۔
2. مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء الی المساجد۔
3. ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد۔
4. بخاری، کتاب الاذان، باب خروج النساء الی المساجد، باللیل والغلس۔ مسلم، کتاب الصلوٰ باب خروج النساء الی المساجد۔

۱- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ[1]

رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز اس قدر اندھیرے میں پڑھتے تھے کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی اپنے گھر واپس ہوتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

۲- حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں۔

اِنَّ النِّسَاءَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ كُنَّ اِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ وَ ثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَنْ صَلّٰى مِنَ الرِّجَالِ مَاشَاءَ اللّٰهُ فَاِذَا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَامَ الرِّجَالُ[2]

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عورتیں فرض نماز سے سلام پھیرتے ہی کھڑی ہوجاتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ جو مرد نماز پڑھتے وہ اپنی جگہ، جب تک اللہ چاہتا بیٹھے رہتے (تاکہ عورتیں پہلے مسجد سے نکل جائیں) اور جب آپ اٹھتے تو وہ بھی اٹھتے۔

۳- حضرت ابوقتادہ انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنِّيْ لَاَقُوْمُ اِلَى الصَّلٰوةِ وَ اَنَا اُرِيْدُ اَنْ اُطَوِّلَ فِيْهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَاَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ كَرَاهِيَةَ اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمِّهٖ[3]

میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس میں لمبی قرأت کروں۔ اتنے میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں۔ یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ میں اس کی ماں کو پریشانی میں ڈالوں۔

۴- ایک مرتبہ عشا کی نماز میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نماز

---

[1] بخاری، کتاب الاذان، باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس۔ مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التبکیر بالصبح الخ۔

[2] بخاری، کتاب الاذان، باب خروج النساء الی المساجد باللیل۔ [3] حوالہ سابق

پڑھانے کے لیے حجرہ سے باہر تشریف نہیں لائے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کی اطلاع کی خاطر بہ آوازِ بلند عرض کیا کہ عورتیں اور بچے سو گئے۔ یہ سن کر آپ (نماز کے لیے) تشریف لائے[1]

۵۔ زینب الثقفیہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْعِشَاءَ فَلاَ تُطَيِّبْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ[2]

جب تم میں سے کوئی عورت عشا کی نماز میں شریک ہو تو اس رات خوشبو نہ استعمال کرے۔

یہی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَيُّمَا امْرَأَةٍ اَصَابَتْ بُخُورًا فَلاَ تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ[3]

جس عورت نے خوشبو استعمال کی ہو وہ ہمارے ساتھ عشا کی نماز میں شریک نہ ہو۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین عشاء اور فجر میں مسجد جایا کرتی تھیں اور باجماعت نماز ادا کرتی تھیں۔ حضرت امّ سلمہ بنت ابو حکیمؓ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بوڑھی عورتیں آپ کے ساتھ فرض نمازیں ادا کرتی ہیں[4]

ہوسکتا ہے کہ ان نمازوں میں زیادہ تر بڑی بوڑھی عورتیں ہی شریک ہوتی ہوں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ جوان عورتیں بھی جماعت میں شریک ہوتی تھیں۔

ذکر و تسبیح

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو دعا اور ذکر و تسبیح کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ یسیر بنت یاسرؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] بخاری، حوالہ سابق

[2] مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء الی المساجد الخ

[3] مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء الی المساجد الخ۔

[4] ابن عبد البر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: ۴/۴۹۔ ابن حجر، الاصابہ: ۸/۴۱۰، ۴۱۱۔ ابن اثیر الجزری، اسد الغابہ: ۷/۳۳۱۔

عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ وَالتَّقْدِيسِ وَ اعْقِدْنَ بِالْاَنَامِلِ فَاِنَّهُنَّ مَسْئُولَاتٌ مُسْتَنْطِقَاتٌ وَلَا تَغْفَلْنَ فَتَنْسِيْنَ الرَّحْمَةَ[1]	اے عورتو! تم تسبیح (سبحان اللہ)، تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) اور تقدیس (سبوح قدوس) کو لازم کرلو۔ انگلیوں کے پوروں سے ان کا شمار کرو۔ اس لیے کہ انگلیوں سے بھی پوچھا جائے گا۔ اور کہلوایا جائے گا۔ ذکر سے غفلت نہ کرو۔ ورنہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاؤ گی۔

رسول اللہ ﷺ نے بعض اوقات خواتین کو خاص خاص اذکار کی بھی تلقین فرمائی ۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کے پاس کوئی خادم نہیں تھا۔ گھر کا کام کاج ہی کرتی تھیں۔ آٹا پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ ایک موقعے پر غلام آئے ہوئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ آپ سے اپنی پریشانیوں کا ذکر کرنے اور ایک کی درخواست کرنے گئیں۔ آپ گھر پر نہیں تھے تو حضرت عائشہؓ سے اس کا ذکر کے چلی آئیں۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت فاطمہؓ کی آمد اور ان کی رت کا تذکرہ کیا۔ آپ شب میں ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہم لوگ لیٹ چکے ۔ آپ کو دیکھ کر ہم اٹھ بیٹھے۔ آپ نے فرمایا: نہیں! لیٹے رہو، اور ہم دونوں کے بیچ اس طرح بیٹھ گئے کہ قدم مبارک میرے شکم سے لگا ہوا تھا اور میں اس کی ٹھنڈک ں کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگوں نے جس چیز کی درخواست کی ہے کیا سے بہتر چیز میں بتاؤں؟ وہ یہ ہے کہ جب اپنے بستر پر لیٹو تو تینتیس (۳۳) مرتبہ ن اللہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ مارے لیے خادم سے بھی بہتر ہے۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: یہ کلمات ہر نماز کے بعد اور سوتے ، پڑھا کرو۔[3]

---

[1] مذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی التسبیح۔ ابوداود، کتاب الوتر، باب التسبیح بالحصیٰ۔

[2] بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب علی بن ابی طالب القرشی۔

[3] مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب التسبیح اول النہار وعند النوم۔

حضرت فاطمہؓ نے خادم کی درخواست کی اور آپؐ نے اس کے جواب :
اللہ کی تسبیح، تحمید اور تکبیر کی تلقین فرمائی۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے
اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انسان کی توانائی اور قوتِ کار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحب زادی بیان کرتی ہیں کہ آپ ان کو اس دعا
تعلیم دیا کرتے تھے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ وَ لاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا○

میں اللہ کی تسبیح اور حمد کرتی ہوں۔ نیکی اور بھلائی کی قوت اللہ ہی سے مل سکتی ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: جو شخص صبح یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ شام تک اور جو شا
پڑھے تو صبح تک اس کی حفاظت فرمائے گا۔[1]

ان کلمات میں جس توکل، اعتماد اور سپردگی کا اظہار کیا گیا ہے اگر وہ فی الو
دل میں پیدا ہوجائے اور پھر انسان کی زبان سے وہ ادا بھی ہوں تو یقین ہے کہ اللہ تہ
شب و روز اس کی حفاظت فرمائے گا۔

امہات المومنین اور دوسری خواتین اوراد و وظائف اور ذکر و تسبیح کا جو اہتمام
تھیں، اس کا اندازہ ذیل کے دو ایک واقعات سے ہوسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد امّ المومنین حضرت جویریہؓ کے ہاں سے
تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ اپنے مصلّی پر تھیں۔ چاشت کے بعد واپس ہو۔
دیکھا کہ وہ اسی جگہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے جاتے وقت (اللہ کا
کرتے ہوئے) جس حالت میں تمہیں چھوڑا تھا کیا اب تک اسی حالت میں ہو؟ انھ

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب مایقول اذا اصبح۔

نے اثبات میں جواب دیا۔ آپؐ نے فرمایا: تمھارے ہاں سے جانے کے بعد میں نے چار کلمات کہے ہیں، لیکن وہ (معنویت کے لحاظ سے) وزن میں تمہارے اب تک کے ذکر کے برابر ہوں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَ رِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ[1]

میں اللہ کی تسبیح اور حمد کرتا ہوں اس کی مخلوقات کی تعداد کے برابر، اس کی ذات کی رضا کے برابر، اس کے عرش کے برابر اور اس کے کلمات کی روشنائی کے برابر۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک عورت (غالبًا وہ امہات المومنین ہی میں سے کوئی تھیں) کے ہاں گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ان کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں پڑی ہوئی ہیں اور وہ ان کے ذریعہ تسبیحات کا شمار کر رہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا میں تسبیح کا اس سے آسان اور افضل طریقہ بتاؤں؟ وہ یہ کہ تم اس طرح کہو:

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمَاءِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مِثْلُ ذٰلِكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلُ ذٰلِكَ[2]

میں اللہ کی تسبیح کرتی ہوں اتنی جتنی کہ آسمان میں اللہ کی مخلوقات ہیں۔ میں اللہ کی تسبیح کرتی ہوں اتنی جتنی کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں۔ میں اللہ کی تسبیح کرتی ہوں اتنی جتنی کہ زمین و آسمان میں چیزیں ہیں۔ میں اللہ کی تسبیح کرتی ہوں اتنی جتنی کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کو پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ کی بڑائی بھی اس کے برابر اور اللہ کی حمد بھی اسی کے برابر۔

---

[1] مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب التسبیح اول النہار وعند النوم۔

[2] ترمذی، کتاب الداعوت، باب فی دعاء النبی ﷺ وتعوذہ دبر کل صلاۃ۔

انسان اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی تسبیح وتحمید کرے کم ہے۔ اس میں وہ شب و روز لگا رہے تو بھی اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اس حدیث میں اس کے لیے ایسے اعداد کا سہارا لیا گیا ہے، جن کی حد ونہایت نامعلوم ہے۔ تاکہ انسان ان کے ذریعے اپنے بے پایاں جذبہ عبودیت کا اظہار کرسکے۔

کثرتِ عبادت

بعض غیر معروف صحابیات میں بھی عبادات کا بڑا ذوق تھا۔ حضرت عمرؓ کی ایک باندی کا نام زائدہ تھا۔ ان کے بارے میں آتا ہے:

كَانَتْ مِنَ الْمُجْتَهِدَاتِ فِي الْعِبَادَةِ وَ كَانَ النَّبِيُّ يُدْنِيهَا لِمَا يَعْلَمُ مِنهَا[1]

وہ ان خواتین میں تھیں، جو عبادت کے سلسلے میں بڑی محنت کرتی تھیں۔ ان کی اس خوبی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ انہیں قریب رکھتے تھے۔

بعض صحابیات اس قدر عبادت کرتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں میانہ روی اور اعتدال کی تاکید فرمائی۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس حولاء بنت تویت بیٹھی ہوئی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: یہ حولاء بنت تویت ہیں۔ ان کی عبادت کا بڑا چرچا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رات کو سوتی نہیں ہیں، نماز پڑھتی رہتی ہیں۔ آپؐ نے اسے ناپسند فرمایا اور کہا:

مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُونَ فَوَ اللّٰهِ لاَ يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَ كَانَ اَحَبَّ الدِّيْنِ اِلَى اللّٰهِ مَادَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ[2]

ایسا نہ کرو۔ اتنی ہی عبادت کرو جتنی تمہارے اندر طاقت ہے۔ اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ (اپنے فضل سے تو) اُکتائے گا نہیں، تم خود اکتا جاؤ گے۔ اللہ کے نزدیک دین (کا وہی عمل) پسندیدہ ہے جس پر عمل کرنے والا مداومت اور پابندی اختیار کرے۔

---

[1] ابن اثیر، اسد الغابہ: ۷/ ۱۲۳ یہ ایک طویل روایت کا حصہ ہے۔ اسے بعض محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔ ابن حجر: الاصابہ: ۸/ ۱۴۹، ۱۵۰۔

[2] بخاری، کتاب الایمان، باب احب الدین الی اللہ ادومہ۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضیلۃ العمل الدائم الخ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ مسجد کے دو
ونوں کے بیچ میں رسی بندھی ہوئی ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہاں یہ رسّی کیسی؟
وں نے عرض کیا کہ یہ حضرت زینبؓ (غالباً ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ) کی
ہے۔ وہ رات میں نماز پڑھتی رہتی ہیں۔ جب تھک جاتی ہیں تو اسی کا سہارا لینے لگتی
ں۔ آپ نے فرمایا:

لاَ،حُلُّوْهُ لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ فَاِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ [1]

نہیں! یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ اسے کھول دو۔ جب تک تم میں سے کسی شخص میں نشاط اور تازگی باقی ہے اسے نماز پڑھنا چاہیے۔ جب تھک جائے تو اسے بیٹھ جانا چاہیے۔

دورِ تابعین میں حضرت رابعہ بصریہ اپنی عبادت و ریاضت میں بہت مشہور
ہیں۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

كَانَتْ مِنْ اَعْيَانِ عَصْرِهَا وَ اَخْبَارُهَا فِي الصَّلَاحِ وَالْعِبَادَةِ مَشْهُوْرَةٌ [2]

وہ اپنے وقت کے بڑے لوگوں میں تھیں۔ صلاح و تقویٰ اور عبادت میں ان کے واقعات مشہور ہیں۔

ان کی ایک خادمہ بیان کرتی ہیں کہ وہ رات بھر نماز پڑھتی رہتیں۔ طلوعِ فجر
ے وقت ذرا سی دیر کے لیے مصلّٰی ہی پر لیٹ جاتیں۔ جب دن نکل آتا تو گھبرا کر
ٹ اپنے بستر سے یہ کہتے ہوئے اٹھ بیٹھتیں: اے نفس کتنی دیر سوئے گا اور کب تک
ئے گا۔ وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے جب کہ تو ایسا سوئے گا کہ قیامت ہی میں
ٹھے گا۔ وہ دعا میں کہتی تھیں: اے اللہ کیا تو اس دل کو آگ میں ڈالے گا، جو تجھ سے
بت کرتا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ ایک دن غیب سے آواز آئی کہ ایسا نہیں ہوگا۔ تمہیں
رے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیے۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے ان کے نزدیک

---

[1] بخاری، کتاب التہجد، باب ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ۔ مسلم، کتاب الصلوۃ، باب فضیلۃ
مل الدائم۔

[2] ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۲/ ۴۸

آخرت کو یاد کر کے کہا 'واحزناہ' ہائے رے غم وحزن۔ انہوں نے کہا: غلط بات مت کہو
یوں کہو، ہائے کس قدر غم کم ہے۔ اس لیے کہ صحیح معنیٰ میں وہاں کا غم لاحق ہوجائے
سانس لینا دوبھر ہوجائے۔[1]

ام الصہباء، معاذہ بنت عبد اللہ کو ابن حبان نے عابدات میں شمار کیا ہے۔
جاتا ہے کہ ان کے شوہر ابو الصہباء کے انتقال کے بعد اپنی وفات تک کبھی بستر پر نہیں
لیٹیں۔ وہ شب زندہ دار خاتون تھیں۔فرماتی تھیں: ان آنکھوں پر تعجب ہوتا ہے، جو سو
رہتی ہیں، جب کہ انہیں معلوم ہے کہ قبر میں لمبی نیند سونا ہے۔ وہ شریعت کی پابندی ا
اس میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا اپنا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ ان کو پیٹ کی کوئی شکایہ
ہوئی تو گھڑے میں رکھے ہوئے نبیذ کو (جس میں نشہ آجاتا ہے) بطورِ علاج تجویز
گیا۔ جب ان کو اس کا پیالہ پیش کیا گیا تو انہوں نے اسے رکھ کر دعا کی: خدایا! تو جا
ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے استعما
سے منع فرمایا ہے۔ تو مجھے اس سے بچالے اور اپنے کرم سے صحت عطا کر۔ اس دعا
ساتھ پیالہ اُلٹ گیا اور ان کی تکلیف دور ہوگئی۔[2]

روزے کا شوق

روزہ دین کا ایک اساسی رکن ہے۔ تقویٰ و طہارت اور خدا سے تعلق پ
کرنے میں نماز کی طرح روزہ کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ اسی وجہ سے فرض روزوں

---

[1] ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۲/۴۸

[2] ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/۴۰۱۔ صفی الدین الخزرجی، خلاصۃ تذھیب الکمال
۳/۳۹۳۔ یہاں اس امر کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ کسی بھی عمل کے صحیح یا غلط ہونے کا فیص
کتاب وسنت کی روشنی میں ہوگا۔ اس کتاب میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں کہ
افراط وتفریط نظر آئے تو وہ حجت نہیں ہوں گے۔ ان کا ذکر صرف اس پہلو سے کیا گیا ہے
دور اول کی خواتین عبادات کا کس قدر اہتمام کرتی تھیں اور اللہ سے ان کا تعلق کتنا مضبوط تھا۔

وہ نفل روزوں کی بھی بڑی فضیلت بیان ہوئی اور اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ حدیث
سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابیات نفل روزے بکثرت رکھا کرتی تھیں۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بارے میں سعد بن ابراہیم کہتے ہیں:

كَانَتْ تَصُوْمُ الدَّهْرَ[1] — وہ صائم الدہر تھیں۔

ان کے بھتیجے قاسم بن محمد کہتے ہیں:

كَانَتْ تَسْرُدُ الصَّوْمَ[2] — وہ مسلسل روزے رکھا کرتی تھیں۔

ام المومنین حضرت حفصہؓ بھی نفل روزے بہت زیادہ رکھتی تھیں۔ حضرت نافعؒ
ماتے ہیں:

مَا مَاتَتْ حَفْصَةُ حَتّٰى مَا تُفْطِرَ[3] — حضرت حفصہؓ کا اس وقت انتقال ہوا جب کہ وہ لگاتار روزے رکھنے لگی تھیں۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں طلاق دینی چاہی تو
ں نازل ہوئی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

رَاجِعْ حَفْصَةَ فَاِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ وَ اِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ[4] — حفصہؓ سے رجوع کرلو، اس لیے کہ وہ بڑی روزہ دار اور راتوں میں قیام کرنے والی ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوں گی۔

صحابیات کے نفل روزوں سے متعلق بہت سے منتشر واقعات حدیث کی
تابوں میں ملتے ہیں۔ ان سے روزہ کے سلسلہ میں ان کے رجحان کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ وہ اور حضرت حفصہؓ دونوں روزے سے تھیں۔
ں اثنا میں کھانا سامنے آیا تو انھوں نے کھالیا۔ حضرت حفصہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۶۸۔
[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۷۵۔
[3] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۸۶۔
[4] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۸۴۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۲۷۳

اس کا ذکر کیا تو دوسرے دن اس کی قضا کا آپؐ نے حکم دیا[1]

رسول اللہ ﷺ ام المومنین حضرت جویریہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ جمعہ دن تھا۔ وہ روزے سے تھیں۔ آپ نے ان سے پوچھا۔ کیا تم نے کل روزہ رکھا تھ انھوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے پھر پوچھا: کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟ انھو نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: روزہ توڑ دو۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ انھوں ۔ روزہ توڑ دیا[2]

حضرت ام ہانیؓ فتح مکہ کے دن کا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ حضرت فاطمہؓ آپؐ کے بائیں جانب اور یہ آپؐ کے دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک باندی پینے کی کوئی چیز لائی۔ آپؐ نے پینے کے بعد حضرت امّ ہ کی طرف اسے بڑھایا۔ انھوں نے اسے (تبرک سمجھ کو فوراً) پی لیا اور کہا: حضورؐ! مٖ روزے سے تھی، لیکن میں نے (آپؐ کا جوٹھا پی لیا)۔ آپؐ نے فرمایا: قضا کا روزہ نہیں رکھا تھا۔ انھوں نے عرض کیا: نہیں! نفل تھا۔ آپؐ نے فرمایا: نفل روزہ رکھنے وا۔ کو اس کا اختیار ہے کہ وہ چاہے تو روزہ پورا کرے، چاہے درمیان میں توڑ دے۔[3]

ام عمارہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ان کے گھر تشریف لائے۔ انھو نے کھانا پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا: تم بھی کھاؤ۔ انھوں نے عرض کیا: میں روزے ۔ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: روزہ دار کے پاس جب کھانا کھایا جاتا ہے تو اس سے فار

---

[1] ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی ایجاب القضاء۔ ابوداؤد، کتاب الصوم، باب من رٰ علیہ القضاء۔

[2] بخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم الجمعۃ۔ جمہور کے نزدیک خاص طور پر جمعہ کا روزہ رٰ مکروہ ہے۔

[3] ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی افطار الصائم المتطوع۔ ابوداؤد، کتاب الصوم، با الرخصۃ فی ذلک۔ دارمی، کتاب الصوم، باب فی من یصبح صائما تطوعا ثم یفطر۔
فقہاء میں حضرت عائشہؓ کی حدیث پر احناف کا اور ام ہانیؓ کی روایت پر شوافع کا عمل ہے۔

ہونے تک فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں[۱]

ربیع بنت معوذؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء (دسویں محرم) کو انصار کے محلوں میں اعلان کرایا کہ جس نے کھاپی لیا ہو وہ شام تک کچھ نہ کھائے اور جس نے روزہ رکھا ہو وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ اس کے بعد سے ہم خود بھی روزہ رکھتے تھے اور اپنے بچوں کو بھی رکھواتے تھے۔ جب وہ بھوک سے روتے تو ہم اون کے کھلونے بنا کر شام تک ان کو بہلائے رکھتے[۲]

دوسروں کی طرف سے روزے رکھنے کا بھی ذکر ملتا ہے۔

ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس پر پندرہ روزے فرض ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر ایک مہینہ کے روزے فرض ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دو مہینہ کے روزے فرض ہیں۔ کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: اگر اس پر کسی کا قرض ہوتا تو تم ادا نہ کرتیں؟ اس نے عرض کیا: ہاں! آپؐ نے فرمایا: اللہ کا قرض تو اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے والا مرد تھا۔[۳]

ہوسکتا ہے کہ یہ متعدد واقعات ہوں۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سوالات مختلف قسم کے ہیں۔

۱۔ ترمذی: ابواب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصائم اذا اکل عندہ۔ ورواہ احمد و ابن ماجہ والدارمی (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم)

۲۔ بخاری، کتاب الصوم، باب صوم الصبیان۔ مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء۔

۳۔ بخاری: کتاب الصوم، باب من مات وعلیہ صوم۔ مسلم، کتاب الصیام، باب قضاء الصوم عن المیت۔ یہاں اس مسئلہ کی فقہی حیثیت سے بحث نہیں ہے۔ صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک میت کی طرف سے روزوں کی قضا نہیں ہے۔

جذبۂ انفاق

قرآن و حدیث میں نماز کے بعد سب سے زیادہ زور انفاق پر دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اسی کی ایک قانونی شکل ہے۔ نماز کے ذریعہ انسان اس جذبہ کا اظہار کرتا ہے کہ اس کا دل و دماغ اور اعضا و جوارح سب کچھ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور انفاق اس بات کی علامت ہے کہ وہ مال کو اپنی ملکیت نہیں سمجھتا اور اسے ہر اس جگہ خرچ کرنے کے لیے تیار ہے جہاں خرچ کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ انفاق کا مطالبہ مردوں سے بھی ہے اور عورتوں سے بھی۔ قرآن میں انفاق کرنے والے مردوں اور عورتوں سے اجرِ عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ○ (الحدید:۱۸)

بے شک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور جنھوں نے اللہ کو قرضِ حسن دیا ان کو بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے۔

احادیث میں عورتوں کو مختلف پہلوؤں سے انفاق کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس میں ان کے مزاج، نفسیات اور ماحول کی بھی پوری رعایت کی گئی ہے۔

حضرت جابرؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک عید کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خواتین سے الگ خطاب کیا۔ اس میں آپ نے ان کو صدقہ و خیرات کی بھی ترغیب دی۔ اس پر خواتین اپنے زیورات اور دوسری چیزیں پیش کرنے لگیں۔ حضرت بلالؓ انھیں اپنی چادر میں جمع کر رہے تھے[1]

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کو آپؐ نے نصیحت فرمائی:

اَنْفِقِيْ وَلاَ تُحْصِيْ فَيُحْصِي اللّٰهُ عَلَيْكِ وَلاَ تُوْعِيْ فَيُوْعِي اللّٰهُ عَلَيْكِ[2]

خرچ کرو۔ شمار مت کرو (کہ کیا دیں اور کیا نہ دیں) ورنہ اللہ بھی گن کر تمھیں دے گا۔ اور نہ بچا بچا کر حفاظت سے رکھو ورنہ اللہ بھی اسی طرح دے گا۔

---

[1] بخاری، کتاب العیدین، باب موعظۃ الامام النساء یوم العید۔ مسلم، کتاب العیدین۔

[2] بخاری، کتاب الھبۃ، باب ھبۃ المرأۃ لغیر زوجھا۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الانفاق وکراھیۃ الاماساک۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں نے ایک مرتبہ بکری ذبح کی۔ (اور سے تقسیم کردیا) آپ نے دریافت فرمایا: کچھ اس میں سے باقی ہے۔ ہم نے رض کیا: صرف شانہ رہ گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: یوں کہو، شانہ کے علاوہ سب کچھ رہ گیا ہے[1]

اس طرح آپؐ نے یہ تصور ذہن نشیں کرایا کہ انسان، جو بھی صدقہ و خیرات لرتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا، بلکہ ضائع تو وہ ہوتا ہے جسے کھاپی کر وہ ختم کر دیتا ہے۔ ںدقہ و خیرات ہی درحقیقت باقی رہتے ہیں، اس لیے کہ ان کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے۔

بعض اوقات انسان اس حیثیت میں نہیں ہوتا کہ کسی کی کوئی بڑی مدد کرے رتھوڑی سی مدد کرتے ہوئے اسے تامل ہوتا ہے۔ یہ صورت حال خواتین کے ساتھ یادہ تر پیش آتی ہے۔ آپؐ نے ان کو ہدایت فرمائی صدقہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کا بھی سکتا ہے۔ اس سے چاہے ضرورت مند کی حقیقی ضرورت پوری نہ ہو، وقتی سہارا اسے ں سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھجور کا ایک ٹکڑا ہی سہی، ے کر جہنم سے بچو۔ یہ شکم سیر انسان کے جیسے کام آتا ہے بھوکے کے بھی کام آتا ہے[2]

ام بُجَیدؓ کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ سائل میرے دروازہ آتا ہے۔ کبھی گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی، جو اسے دے سکوں۔ اس لیے شرم محسوس تی ہے۔ آپؐ نے فرمایا (سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ) کچھ نہ ہو تو جلا ہوا کھر ہی سہی، ے کر بھیجو[3]

---

[1] ترمذی: ابواب صفۃ القیامۃ، باب ٣٣۔

[2] قال المنذری: رواہ احمد باسناد حسن۔ الترغیب والترہیب: ٢/٦۔

[3] ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی حق السائل۔

جلا ہوا کھر ایک بے فائدہ چیز ہے۔ اس میں سائل کو خالی ہاتھ لوٹانے کی سخت ممانعت اور اسے کچھ نہ کچھ دینے کی تاکید ہے۔

عورتوں کے تعلقات زیادہ تر رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے ہوتے ہیں۔ ان کا حق بھی زیادہ ہے۔ احادیث میں عورتوں کو اس حق کے ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی اور ایک انصاری خاتون نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے یہ دریافت کیا کہ کیا وہ اپنے شوہروں اور بچوں پر بھی صدقہ کرسکتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں وہ ان پر بھی صدقہ کرسکتی ہیں۔

لَهُمَا اَجْرَانِ اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَ اَجْرُ الصَّدَقَةِ[1]	ان کو تو دوگنا اجر ملے گا، قرابت کا اجر بھی اور صدقہ کا اجر بھی۔

حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں اپنے شوہر ابوسلمہؓ کے بچوں پر خرچ کروں، جو میرے ہی بچے ہیں اور جن کو میں چھوڑ بھی نہیں سکتی تو کیا اللہ تعالیٰ مجھے اس کا ثواب دے گا؟ آپؐ نے فرمایا:

اَنْفِقِیْ عَلَیْهِمْ فَلَکِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَیْهِمْ[2]	ان پر خرچ کرو۔ تم جو بھی ان پر خرچ کروگی تمہیں اس کا اجر ملے گا۔

حضرت میمونہؓ نے ایک باندی آزاد کی۔ انھوں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم اسے اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔[3] (غالباً وہ اس کے ضرورت مند تھے)

---

[1] بخاری، کتاب النفقات، باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحجر۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقۃ علی الاقربین والزوج الخ۔

[2] بخاری، کتاب النفقات، باب الزکوٰۃ علی الزوج والایتام فی الحجر۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقۃ علی الاقربین والزوج الخ۔

[3] بخاری، کتاب الھبۃ، باب ھبۃ المرأۃ لغیر زوجھا الخ۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَ لَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ[1]	اے مسلمان عورتو! تم میں سے کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے۔ اگرچہ بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ (بہرحال ہدیہ دے)۔

اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ مسلمان عورت کو حسب استطاعت ا پڑوسن کو ہدیہ اور تحفہ دیتے رہنا چاہیے۔ اگر کوئی بڑی چیز نہ دے سکے تو چھوٹی ہی چیز ے۔ یہ نہ سوچے کہ چھوٹی سی چیز کیا پیش کی جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جسے ہدیہ جائے وہ یہ نہ دیکھے کہ کیا چیز دی جا رہی ہے اور کس قیمت کی دی جا رہی ہے، بلکہ ا جذبہ اور محبت کی قدر کرے، جو اس کے پیچھے کام کر رہا ہے۔ اور چھوٹی سے چھوٹی ر کو بھی رد نہ کرے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: میرے دو وسی ہیں۔ ان میں سے کس کے ہاں تحفہ بھیجوں؟ آپ نے فرمایا: جس کا دروازہ تم سے یب ہو اس کے ہاں بھیجو۔[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ پڑوسی کے حقوق پہچانتی تھیں، البتہ وہ جاننا چاہتی تھیں کہ ایک سے زیادہ پڑوسی ہوں تو کس کا حق زیادہ ہے؟

ان اصولی تعلیمات کے بعد اب دورِ اول کی مسلمان خواتین کے انفاق کا کسی ر ذکر کیا جا رہا ہے:

امّ المومنین حضرت زینبؓ کے اندر انفاق کا غیر معمولی جذبہ تھا اور وہ بہت دہ صدقہ و خیرات کیا کرتی تھیں۔ امام ذہبیؒ ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

---

[1] بخاری، کتاب الہبۃ۔

[2] بخاری، کتاب الہبۃ، باب بمن یبدأ بالہبۃ۔

كَانَتْ مِنْ سَادَةِ النِّسَاءِ دِيْنًا وَ وَرْعًا وَجُوْدًا وَ مَعْرُوْفًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا[1]	دین، تقویٰ، جود و سخا اور نیکی اور بھلائی کے لحاظ سے ان کا شمار سردار خواتین میں ہوتا تھا۔ رضی اللہ عنہا۔

حال یہ تھا کہ محنت کر کے کچھ کماتیں اور اسے غریبوں اور ناداروں میں تقسیم کر دیتیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا:

اَسْرَعُكُنَّ لِحَاقًا بِیْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا	تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں۔

ہم لوگ اپنے ہاتھ ناپا کرتے تھے، تاکہ یہ دیکھیں کہ کس کا انتقال پہلے ہوگا۔ حضرت زینبؓ چھوٹے قد کی تھیں، لیکن ان کا انتقال سب سے پہلے ہوا۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ آپ کا منشا یہ تھا کہ صدقہ و خیرات میں، جو سب سے آگے ہے اس کا پہلے انتقال ہوگا۔ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتیں اور جو حاصل ہوتا اسے صدقہ کر دیتی تھیں[2]

برزہ بنت رافع کہتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بارہ ہزار درہم ان کے لیے بیت المال سے بھیجے۔ جب یہ خطیر رقم ان کے پاس پہنچی تو کہا: میں اس کا کیا کروں؟ میری دوسری بہنیں (ازواجِ مطہرات) اس کی تقسیم کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ کہا گیا: یہ ساری رقم آپ ہی کے لیے ہے۔ فرمایا: سبحان اللہ! اسے رکھ دو اور ایک کپڑے سے ڈھک دو۔ پھر مجھ سے کہا: اس میں ہاتھ ڈالو اور ایک مٹھی فلاں کے ہاں اور ایک مٹھی فلاں کے ہاں پہنچا آؤ۔ اس طرح اپنے رشتہ داروں اور یتیموں کے درمیان اسے تقسیم کراتی رہیں۔ جب تھوڑی سی رقم رہ گئی تو میں نے کہا

---

[1] ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۴۹۔
[2] مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل زینب ام المومنین۔

ں میں ہمارا بھی تو حق ہے؟ جواب دیا: اچھا اب کپڑے کے نیچے، جو کچھ رہ گیا
ہے وہ تمہارا ہے۔ یہ پینتیس (۳۵) درہم تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب
ضرت عمرؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ انھوں نے ساری رقم اس طرح تقسیم کردی ہے
فرمایا: ان سے خیر ہی کی توقع ہے۔ پھر خود گھر تشریف لے گئے۔ دروازے پر
ھڑے ہوکر سلام کیا۔ مزید ایک ہزار درہم بھیجے اور درخواست کی کہ اسے اپنی
روریات میں خرچ کریں۔ لیکن اسے بھی انھوں نے تقسیم کر دیا۔

غیرت کا یہ عالم تھا کہ بیت المال سے اس وظیفہ کے ملنے کے بعد آسمان
ں طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! عمرؓ کا وظیفہ لینے کے لیے اب مجھے زندہ نہ
ھ۔ چناں چہ ان کا اسی سال انتقال ہوگیا۔[1]

اپنا کفن خود تیار کر رکھا تھا۔ ادھر حضرت عمرؓ نے بھی ان کے انتقال کے
ت بیت المال سے پانچ کپڑے خود منتخب کر کے بھیجے۔ ان ہی کپڑوں میں کفن دیا
یا اور ان کی بہن حمنہ بنت جحش نے اس کفن کو، جسے انھوں نے تیار کیا تھا، صدقہ
ر دیا۔[2]

حضرت زینبؓ کے انتقال پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

ذَهَبَتْ حَمِيْـدَةٌ، فَقِيْـدَةٌ،	چلی گئیں وہ جو قابلِ تعریف، بے مثال،
مَفْزَعُ الْيَتَامٰى وَالْاَرَامِلِ[3]	یتیموں اور بیواؤں کی پناہ گاہ تھیں۔

عثمان بن عبداللہ جحشی کہتے ہیں:

مَـا تَـرَكَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ	زینب بنت جحشؓ نے کوئی درہم یا
جَحْشٍؓ دِرْهماً وَلاَ دِيْنَارًا كَانَتْ	دینار نہیں چھوڑا، جو کچھ ہاتھ آتا صدقہ

۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۱۰۹، ۱۱۰۔
۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۱۱۰۔
۳۔ حوالہ سابق۔

تَصَدَّقَ بِکُلِّ مَا قَدَرَتْ عَلَیْهِ وَ کَانَتْ مَاْوٰی الْمَسَاکِیْنِ
کردیتیں۔ وہ مسکینوں کی پناہ گاہ تھیں۔

فرماتے ہیں: جس مکان میں وہ رہتی تھیں ان کے انتقال کے بعد ولید؛ عبدالملک نے مسجد نبوی کی توسیع کے لیے اسے پچاس ہزار درہم میں خرید تھا[1]

رسول اللہ ﷺ، امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ سے سب سے زیادہ محب فرماتے تھے۔ اس وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ بھی زیادہ رکھا تھا۔ چناں انھوں نے ازواجِ مطہرات میں سے ہر ایک کا دس ہزار درہم اور حضرت عائشہؓ بارہ ہزار درہم وظیفہ مقرر فرمایا[2]

لیکن حضرت عائشہؓ بڑی فیاض تھیں۔ جو کچھ ملتا اسے خرچ کردیتی تھیں ان کی فیاضی اور انفاق کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوسکتا ہے:

ام ذرہ کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دو تھیلیاں، جس میں ایک لاکھ درہم ہوں گے، حضرت عائشہؓ کے پاس بھجوائے۔ انھوں نے طبق منگوایا اور اسی ساری رقم لوگوں میں تقسیم کرادی۔ اس دن وہ روزہ سے تھیں۔ شام ہوئی تو مجھ سے ک اے لڑکی! افطار تو لاؤ۔ میں نے عرض کیا: آج آپ نے اتنی بڑی رقم تقسیم فرمائی۔ کیا ممکن نہیں تھا کہ اس میں سے افطار کے لیے گوشت منگوا لیتیں۔ فرمایا: جانے د ملامت مت کرو۔ اگر پہلے تم ذکر کرتیں تو گوشت بھی منگوا ہی لیتی۔[3]

عطاء بن ابی رباح کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے حضرت عائ کو ایک لاکھ درہم بھجوائے۔ انھوں نے وہ امہات المومنین کے درمیان تقسیم کردیے[4]

عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ نے ستر ہزار در

---

1. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۱۱۴۔
2. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۶۷۔
3. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۶۷۔
4. ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۴۱۔

صدقہ و خیرات کیے اور خود ان کا یہ حال تھا کہ اپنے کپڑوں میں پیوند لگا رہی تھیں[۱]

ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ اسلام سے قبل بھی مسکینوں اور محتاجوں کی بہت مدد کیا کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کو 'ام المساکین' (مسکینوں کی ماں) کہا جاتا تھا[۲]

ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ کو حضرت عمرؓ نے درہموں سے بھرا ہوا ایک جھولا بھجوایا۔ جب ان کے پاس یہ جھولا پہنچا تو انھوں نے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ عرض کیا گیا: درہم ہیں۔ فرمایا: کیا کھجور کی طرح درہم بھرے گئے ہیں؟ پھر ایک لڑکی سے کہا: ایک طبق لاؤ۔ اسی طبق سے وہ ساری رقم تقسیم کرادی[۳]

حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی اور حضرت عائشہؓ کی سگی بہن تھیں۔ محمد بن منکدرؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں:

كَانَتْ سَخِيَّةَ النَّفْسِ[۴] طبیعت کی سخی تھیں۔

اپنی لڑکیوں اور گھر والوں کو نصیحت کرتی تھیں: انفاق اور خیرات کرو۔ یہ نہ سوچتے رہو کہ اخراجات کے بعد کچھ بچے تو بھلائی کے کاموں میں خرچ کریں گے۔ بچت کا انتظار کروگی تو کوئی چیز بچے گی نہیں۔ اور اگر خرچ کروگی تو اس کا فقدان بھی نہیں ہوگا[۵]

حضرت عمرؓ نے ایک ہزار درہم ان کا وظیفہ مقرر کیا تھا[۶] لیکن ان کے انفاق کا عجب عالم تھا۔ ابو الزبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا۔ لیکن دونوں کا انداز مختلف تھا۔ حضرت عائشہؓ ایک ایک چیز

---

۱ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۶۶۔

۲ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۱۱۵۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۰۹۔

۳ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۵۶۔ ابن حجر، الاصابہ: ۸/ ۱۹۷۔

۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۲۵۲۔

۵ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۲۵۲۔

۶ حوالہ سابق: ص ۲۵۳۔

جمع کرتیں اور پھر جہاں ضرورت ہوتی استعمال کرتیں۔ لیکن حضرت اسماءؓ کل کے لیے کچھ اٹھا کر نہیں رکھتی تھیں۔ جو کچھ ہاتھ آتا سب اسی وقت خرچ کر دیتیں[۱]

فاطمہ بنت منذر کہتی ہیں: کبھی بیمار ہوتیں تو اپنے پاس جو غلام ہوتے انھیں آزاد کر دیتی تھیں[۲]

حج اور عمرہ

اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک حج بھی ہے۔ حج مخصوص دنوں میں کعبۃ اللہ پہنچ کر مخصوص اعمال بجا لانے کا نام ہے۔ عمرہ میں حج ہی کے بعض اعمال ایام حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں انجام دیے جاتے ہیں۔

حج اور عمرہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حدیث میں اسے عورتوں کا جہاد کہا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کیا ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہو سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:

لٰكِنَّ اَحْسَنَ الْجِهَادِ وَ اَجْمَلَهُ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ[۳]

تم لوگوں کے لیے سب سے اچھا اور خوب صورت جہاد حج مبرور ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: مجھے قرآن مجید میں جہاد سے زیادہ فضیلت والا کوئی دوسرا عمل نظر نہیں آتا۔ پھر ہم بھی آپؐ کے ساتھ جہاد میں کیوں نہ شریک ہوں؟ آپؐ نے فرمایا:

لَا وَلٰكِنَّ اَفْضَلَ الْجِهَادِ وَ اَجْمَلَهُ حَجُّ الْبَيْتِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ[۴]

نہیں! تم لوگوں کے لیے سب سے فضیلت والا اور خوب صورت جہاد، حج بیت اللہ یعنی حج مبرور ہے (جو خدا کے لیے کیا گیا ہو)۔

---

[۱] بخاری، الادب المفرد: ۱/ ۷۷ ۳۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۱۱۔
[۲] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۲۵۲۔
[۳] بخاری، کتاب الحج، باب حج النساء۔
[۴] نسائی، کتاب مناسک الحج، باب فضل الحج۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جِهَادُ الْكَبِيرِ وَالصَّغِيرِ وَ الضَّعِيفِ وَالْمَرْأَةِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ[1]

بوڑھے، بچے، کمزور اور عورت کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپؐ کی ازواجِ مطہرات نے بھی حج کیا تھا۔ آپؐ کے بعد حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ نے حج نہیں کیا، البتہ سری ازواج حج کو جایا کرتی تھیں[2]

حجۃ الوداع میں دس ہزار صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں فریضہ حج ادا یا تھا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں صحابیات کی بھی بڑی تعداد تھی۔ جذبہ اور شوق کا یہ لم تھا کہ بیمار، حاملہ اور بچے والیاں بھی شریک تھیں۔

ضباعہ بنت زبیرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میں نے حج کا ارادہ کیا ہے ن بیمار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: حج کرو۔ احرام اس نیت سے باندھو کہ اللہ تعالیٰ جہاں ل دے گا وہیں احرام کھول دوگی[3]

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ھ میں حج کا اعلان مایا تو ہم سب لوگ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ جب ذو الحلیفہ پہنچے تو وہاں اسماء بنت یس ؓ کے صاحبزادے محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے۔[4]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے 'روحاء' میں بجھ سواروں سے ملاقات کی۔ ان میں سے ایک عورت نے بچہ کو نکال کر دکھایا اور ال کیا کہ کیا اس کا بھی حج ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اس کا بھی حج ہوگا اور

نسائی، کتاب مناسک الحج، باب فضل الحج۔

ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۵۵۔

بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین۔ مسلم، کتاب الحج، باب جواز اشتراط المحرم سیل الخ۔

مسلم، کتاب الحج، باب صحۃ احرام النفساء۔ ابوداؤد، کتاب المناسک، باب صفۃ حجۃ النبیؐ۔

تمھیں ثواب ملے گا[1]

ایک انصاری خاتون ام سنانؓ حجۃ الوداع میں شریک نہیں ہوسکی تھیں۔ حج سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ انھوں نے عرض کیا۔ لوگوں کے پاس دو ہی اونٹنیاں تھیں۔ ایک پر میرے شوہر اور میرا لڑکا حج پر چلے گئے دوسرے سے زمین کی آب پاشی ہو رہی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا تو تم رمضان میں عمرہ کرلو۔ اللہ تعالیٰ حج کے برابر ثواب عطا فرمائے گا[2]

ایک اور خاتون، جن کا نام ام معقل تھا، وہ بھی حج کو نہیں جاسکی تھیں۔ آپؐ نے ان سے بھی رمضان میں عمرہ کرنے کے لیے کہا[3]

اس طرح، جو خواتین ارادہ کے باوجود حج کو نہیں جاسکی تھیں ان کو آپؐ نے عمرہ کی ترغیب دی۔ حج کے سلسلہ میں خواتین کو سہولت فراہم کرنے اور ان کی رکاوٹیں دور کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔ خواتین بغیر محرم کے حج نہیں کرسکتیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میری بیوی حج کو جانا چاہتی ہے اور میں نے جنگ میں شرکت کے لیے اپنا نام لکھوا دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے جاؤ۔[4]

خواتین اپنی طرف سے بھی حج کرتی تھیں اور وقت ضرورت دوسروں کی طرف سے بھی یہ فریضہ انجام دیتی تھیں۔

---

[1] مسلم، کتاب الحج، باب صحۃ حج الصبی۔ ابوداؤد، کتاب المناسک، باب فی الصبی یحج۔

[2] بخاری، ابواب العمرۃ، باب عمرۃ فی رمضان۔ مسلم، کتاب الحج، باب فضل العمرۃ فی رمضان

[3] ابوداؤد، کتاب المناسک، باب العمرۃ۔ اس واقعہ کی تفصیلات میں خاصا اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو عون المعبود: ۲/ ۱۵۰، ۱۵۱۔ ہوسکتا ہے مذکورہ بالا دونوں روایات ایک ہی واقعہ سے متعلق ہوں زیادہ امکان اس کا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہوں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اما ان یکون اختلف فی کنیتھا و اما ان تکون القصۃ تعددت وھو الاشبہ۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/ ۴۷۹

[4] بخاری، ابواب العمرۃ، باب حج النساء۔ مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأۃ مع محرم الی الحج وغیرہ

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، لیکن حج کرنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا:

حُجِّیْ عَنْهُ أَرَأَیْتِ لَوْ کَانَ عَلٰی اُمِّکِ دَیْنٌ أَکُنْتِ قَاضِیَةً اُقْضُوا اللّٰهَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ[1]

اس کی طرف سے حج کرو۔ بتاؤ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو تم ادا نہ کرتیں؟ اللہ کا قرض بھی ادا کرو۔ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔

حضرت فضل بن عباسؓ کہتے ہیں کہ قبیلۂ خثعم کی ایک عورت نے رسول اللہؐ سے کہا: اللہ نے اپنے بندوں پر حج کو فرض قرار دیا ہے۔ یہ فرض میرے باپ پر بھی عائد ہوتا ہے۔ لیکن وہ بہت بوڑھے ہیں۔ سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ اگر میں ان کی طرف سے حج کروں تو کیا ان کا فرض ادا ہوجائے گا: آپؐ نے فرمایا: ہاں ادا ہوجائے گا[2]

دین میں تقشّف اور سختی ناپسندیدہ ہے۔ ایک خاتون نے حج کے سلسلہ میں یہی رویہ اختیار کیا تو آپؐ نے منع فرمایا۔

عقبہ بن عامر جہنیؓ کہتے ہیں کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ پیدل بیت اللہ کی زیارت کریں گی۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں اس بارے میں آپ سے دریافت کروں۔ میں نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں۔ وہ پیدل بھی چلے اور سواری بھی استعمال کرے۔ (ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس نذر کا کفارہ ادا کرنے کے لیے کہا)۔[3]

سفر حج کو احادیث میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفر سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاجی کی دعا قبول فرماتا ہے۔ اس لیے اس سے دعا کرانے کی

---

[1] بخاری، ابواب العمرۃ، باب الحج والنذر عن المیت۔

[2] بخاری، ابواب العمرۃ، باب حج المرأۃ عن الرجل۔ مسلم، کتاب الحج، باب عن العاجز الخ۔

[3] بخاری، ابواب العمرۃ، باب من نذر المشی الی الکعبۃ۔

ترغیب دی گئی ہے۔ ایک موقعے پر حضرت ام درداءؓ نے حضرت صفوان سے پوچھا کہ کیا آپ کا ارادہ حج کو جانے کا ہے۔ انھوں نے کہا: ہاں! حضرت ام درداءؓ نے ان سے درخواست کی کہ ہمارے لیے بھی دعائے خیر فرمایئے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے اس کے پیچھے، جو دعا کرتا ہے وہ قبول کی جاتی ہے۔ اس کے سرہانے ایک فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں بھی اس خیر سے نوازے۔ حضرت صفوان کہتے ہیں کہ میں وہاں سے نکلا تو بازار میں حضرت ابودرداءؓ سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح کی روایت بیان فرمائی[1]

یہ ان خواتین کی عبادت کی کیفیت تھی۔ اب ان کے علم و فضل کا حال دیکھیے۔



---

[1] مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الدعاء للمسلمین بظہر الغیب۔ ابن ماجہ، کتاب المناسک باب فضل دعاء الحاج۔

مسلمان عورت
(علم وفضل کے میدان میں)

اسلام نے علم دین کی بڑی فضیلت بیان کی، اس کے سیکھنے اور سکھانے کی
ہتائی ترغیب دی اور اس کی ہر طرح ہمت افزائی فرمائی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد
م دین کا ہر سو چرچا ہونے لگا اور بڑی بڑی علمی شخصیتیں ابھریں۔ ان میں مرد بھی تھے
ر عورتیں بھی تھیں۔ یہاں دور اول کی بعض نمایاں خواتین کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

ضرت عائشہؓ

صحابیات میں حضرت عائشہؓ کا علمی مقام سب سے اونچا تھا۔ صحابہ کرامؓ میں بھی
ندودے چند ہی کو یہ مقام حاصل رہا ہے۔ ان کے علم وفضل اور بصیرت کا اس دور کے
ساطینِ علم نے اعتراف کیا ہے۔ ان کے شاگرد خاص اور بھانجے عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں:

لَقَدْ صَحِبْتُ عَائِشَةَ فَمَا رَأَيْتُ اَحَدًا قَطُّ كَانَ اَعْلَمَ بِايَةٍ اُنْزِلَتْ وَلاَ بِفَرِيْضَةٍ وَلاَ بِسُنَّةٍ وَلاَ بِشِعْرٍ وَلاَ اَرْوٰى لَهٗ مِنْ اَيَّامِ الْعَرَبِ وَلاَ بِنَسَبٍ وَّلاَ بِكَذَا وَ بِكَذَا وَلاَ بِقَضَاءٍ وَلاَ طِبٍّ مِنْهَا[1]

میں حضرت عائشہؓ کی صحبت میں رہا۔ میں نے ان سے زیادہ آیات کی شانِ نزول، فرائض، سنت، شعر وادب، عرب کی تاریخ اور قبائل کے انساب وغیرہ اور مقدمات کے فیصلوں، حتیٰ کہ طب کا جاننے والا کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

---

[1] ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۲۸، ۱۲۹۔

فرماتے ہیں: میں نے کہا: خالہ جان! آپ نے طب کیسے سیکھی؟ فرمایا: جب کبھی میں یا کوئی دوسرا شخص بیمار ہوتا تو اس کا علاج بتایا جاتا۔ اسی طرح لوگ ایک دوسرے کو علاج بتاتے اور میں اسے یاد رکھتی۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں:

لَوْ جُمِعَ عِلْمُ النَّاسِ كُلِّهِمْ ثُمَّ عِلْمُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ لَكَانَتْ عَائِشَةُ اَوْسَعَهُمْ عِلْمًا[1]

اگر سب لوگوں کا علم جمع کیا جائے اور پھر رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے علم کا بھی اس میں اضافہ کیا جائے تو حضرت عائشہؓ کا علم زیادہ وسیع ہوگا۔

عطاء بن ابی رباحؒ کہتے ہیں:

كَانَتْ عَائِشَةُ اَفْقَهَ النَّاسِ وَ اَعْلَمَ النَّاسِ وَ اَحْسَنَ النَّاسِ رَاْيًا فِي الْعَامَّةِ[2]

حضرت عائشہؓ لوگوں میں سب سے بڑی فقیہ، سب سے زیادہ علم رکھنے والی اور عوام میں سب سے اچھی رائے رکھنے والی تھیں۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

لاَ اَعْلَمُ فِيْ اُمَّةِ محمَّد ﷺ بَلْ وَلاَ فِي النِّسَاءِ مطلقًا اِمْرَاَةً اَعْلَمَ مِنْهَا[3]

رسول اللہ ﷺ کی امت میں، بلکہ مطلقاً سب ہی عورتوں میں ان سے زیادہ علم والی کسی عورت سے میں واقف نہیں ہوں۔

جن صحابہؓ نے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث روایت کی ہیں ان میں حضرت عائشہؓ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ یہ احادیث انھوں نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں۔ بعض احادیث حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حمزہ بن عمرو الاسلمیؓ اور جذامہ بنت وہبؓ سے سن کر بھی روایت کی ہیں۔ ان کی مرویات کی کل تعداد دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) ہے۔ ان میں سے ایک سو

---

[1] حاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ۔ حدیث نمبر ۶۷۴۴ / ۲۳۳۲
[2] ذہبی، تلخیص المستدرک: ۴ / ۱۴۔
[3] ذہبی، سیر اعلام النبلاء ۱۰۱/۱۔

ہتر (۱۷۴) احادیث متفق علیہ ہیں، یعنی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں۔ ان کے
وہ چوّن (۵۴) احادیث امام بخاری نے اور انہتر (۶۹) امام مسلم نے الگ الگ روایت
ں ہیں[1] باقی احادیث حدیث کی دوسری کتابوں میں آئی ہیں۔

ضرت ام سلمہؓ

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے بھی بہت سی حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے
ہِ راست اور بعض حدیثیں حضرت ابو سلمہؓ اور حضرت فاطمہؓ سے بالواسطہ روایت کی ہیں
پینتیس (۳۵) سے زیادہ صحابہ و تابعین نے (جن میں مرد اور عورتیں دونوں ہی شامل
ں) ان سے احادیث نقل کی ہیں[2]

ان کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھہتر (۳۷۸) ہے۔ ان میں تیرہ (۱۳)
ایات بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں۔ ان کے علاوہ تین بخاری میں اور تیرہ مسلم میں
ئی جاتی ہیں[3]

حضرت ام سلمہؓ کا فقہ میں بھی خاص مقام تھا۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

كَانَتْ تُعَدُّ مِنْ فُقَهَاءِ الصَّحَابَةِ[4]	صحابہ میں جو فقہاء تھے ان میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

ضرت حفصہؓ

ام المومنین حضرت حفصہؓ، حضرت عمرؓ کی صاحب زادی تھیں۔ انھوں نے
سول اللہ ﷺ اور حضرت عمرؓ سے روایتِ حدیث کی ہے۔ ان سے حدیث کی روایت کرنے
لوں میں ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، ان کے لڑکے حمزہ اور ان کی بیوی صفیہ،

---

[1] ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۰۱۔
[2] ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۴۰۵۔
[3] ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۴۳۔
[4] حوالہ سابق، ۲/ ۱۴۳۔

امّ بشر الانصاریہ، مطلب بن وداعہ، حارثہ بن وہب وغیرہ بارہ سے زیادہ افراد شامل ہیں
حضرت حفصہؓ نے ساٹھ (۶۰) حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان میں سے چ
حدیثیں بخاری و مسلم دونوں میں اور چھ حدیثیں صرف مسلم میں آئی ہیں۔[۲]

حضرت اُمِّ حبیبہؓ

ام المومنین ام حبیبہؓ حضرت ابو سفیانؓ کی صاحب زادی تھیں۔ انھوں ۔
رسول اللہ ﷺ سے پینسٹھ (۶۵) حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان میں سے دو بخاری اور مس
دونوں میں موجود ہیں۔ ایک مسلم میں آئی ہے۔ ان سے ان کی لڑکی حبیبہؓ، ان کے بھا
حضرت معاویہؓ، ان کے بھتیجے عبد اللہ بن عتبہ، عروہ بن زبیر، صفیہ بنت شیبہ اور زینہ
بنت ابو سلمہؓ وغیرہ نے حدیث روایت کی ہے۔[۳]

حضرت میمونہ بنت الحارثؓ

ام المومنین میمونہ بنت الحارثؓ اپنے شوہر ابو رہم کے انتقال کے بعد سن ۷
میں رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں۔ ان کے متعلق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''وہ ہ
میں سب سے زیادہ خدا ترس اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔'' انھوں نے رسول اللہ ﷺ
سے چھیالیس (۴۶) حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت
عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن شداد، عبد الرحمٰن بن السائب، یزید بن الاصم (یہ سب ا
کے بھانجے ہوتے تھے) ان کے پروردہ عبد اللہ خولانی، ان کی باندی ندبہ، ان کے آز
کردہ غلام عطاء بن یسار اور سلیمان بن یسار اور عالیہ بنت سبیع وغیرہ ہیں۔[۴]

---

[۱] ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۳۶۱۔ [۲] ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۶۴۔
[۳] ذہبی، سیرِ اعلام النبلاء: ۲/ ۱۵۵۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۳۶۹۔
[۴] ابن حجر الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/ ۳۲۲-۳۲۴۔ تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۴۰۲۔ صفی الدین الخزرجی:
خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال: ۳/ ۳۹۲۔

حضرت لبابہ بنت الحارثؓ

یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی زوجہ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد (غالباً خواتین میں) سب سے پہلے اسلام لے آئیں۔ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں: 'کانت من المنجبات' یعنی یہ ان خواتین میں سے تھیں جن کی اولاد نیک اور شریف تھی۔ ان کی اولاد میں فضل بن عباسؓ، مشہور فقیہ عبد اللہ بن عباسؓ، معبد، قثم، عبدالرحمٰن اور ام حبیبہؓ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے ناموری اور عزت و شہرت حاصل کی۔ حضرت لبابہؓ دوشنبہ اور پنج شنبہ کے روزوں کا اہتمام کرتی تھیں۔ اس سے ان کی نیکی اور تقویٰ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے تیس (۳۰) احادیث روایت کی ہیں[1]

حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ

ام ہانی رسول اللہ ﷺ کی چچا زاد اور حضرت علیؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان سے صحاحِ ستہ اور دوسری کتب حدیث میں چھیالیس (۴۶) حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹوں اور پوتوں کے علاوہ دوسرے اصحاب بھی ہیں[2]

حضرت اسماءؓ بنت ابو بکرؓ

حضرت اسماءؓ، حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی اور حضرت زبیرؓ کی بیوی تھیں۔ قدیم الاسلام ہیں۔ ان سے پہلے صرف سترہ (۱۷) افراد دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے

---

۱ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۴۶۱۔ صفی الدین الخزرجی، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال: ۱/۳۹۲۔

۲ ابن حجر، الاصابہ: ۴/۴۸۵، ۴۸۶۔ صفی الدین الخزرجی، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال: ۱/۴۰۳، ۴۰۴۔

تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان سے جن صحابہ و تابعین نے یہ حدیثیں دوسروں تک پہنچائی ہیں، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: ان کے لڑکے عبد اللہ بن زبیرؓ ان کے پوتے، عبد اللہ بن عباد بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، صفیہ بنت شیبہ، فاطمہ بنت منذر، ان کے آزاد کردہ غلام عبد اللہ بن کیسان، ان کے پوتے عباد بن حمزہ وغیرہ[1]

ان کی مرویات کی تعداد اٹھاون (۵۸) ہے۔ ان میں سے تیرہ (۱۳) بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ صرف بخاری میں پانچ اور مسلم میں چار حدیثیں ہیں۔[2]

حضرت خولہ بنت حکیمؓ

خولہ بنت حکیمؓ کے بارے میں علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں:

كَانَتْ اِمْرَأَةً صَالِحَةً فَاضِلَةً[3] وہ ایک نیک اور فاضل خاتون تھیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ان سے ایک حدیث روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

زَعَمَتِ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ خَوْلَةُ بِنْتُ حَكِيمٍ[4] خولہ بنت حکیم نے، جو ایک صالح خاتون تھیں، بیان کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نیکی اور ان کا علم و فضل تسلیم شدہ تھا۔ ان سے پندرہ (۱۵) احادیث روایت کی گئی ہیں[5]

حضرت نُسَیبہ بنت کعب (ام عطیہؓ)

مشہور صحابیہ ہیں۔ ان کا تعلق انصار سے تھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے

---

[1] ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۰۸۔

[2] حوالہ سابق ۲/ ۲۱۴۔

[3] ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۲۹۰۔

[4] ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حب الولد۔

[5] صفی الدین الخزرجی، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال: ۳/ ۳۸۰۔

لیس (۴۰) حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان سے روایتِ حدیث کرنے والوں میں حضرت
ں بن مالکؓ، محمد بن سیرین، حفصہ بنت سیرین اور ام شراحیل اور بعض دیگر ہیں[1]

ضرت فریعہ بنت مالکؓ

حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک صحابیہ کی روایت کی بنیاد پر ایک
رعی مسئلہ کا فیصلہ فرمایا۔

زینب بنت کعب بن عجرہ کہتی ہیں کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی بہن فریعہ
ت مالکؓ نے ان سے بیان کیا کہ میرے شوہر کے انتقال کے بعد، میں رسول اللہ ﷺ
ں خدمت میں گئی اور عرض کیا کہ مجھے اپنے خاندان والوں میں عدت گزارنے کی
جازت دی جائے، اس لیے کہ شوہر کا کوئی مکان نہیں تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس
کے باوجود حکم دیا کہ جہاں تمھیں اپنے شوہر کی وفات کی خبر ملی ہے وہیں عدت گزارو۔
ضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں یہی مسئلہ ان کے سامنے آیا تو لوگوں نے ان سے
رے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ انھوں نے مجھے بلوایا۔ میں پہنچی تو وہ کچھ لوگوں کے درمیان
ٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھ سے واقعہ معلوم کیا۔ جب میں نے بتایا تو انھوں نے
س عورت کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا اسے کہلوایا کہ وہ اسی جگہ عدت پوری کرے
ہاں اسے اپنے شوہر کے انتقال کی خبر ملی ہے[2]

عض دیگر صحابیات

کسی دور کی علمی و فکری حالت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے کے لیے معروف
خصیتوں کے ساتھ غیر معروف شخصیتوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ اسی سے اس دور کا صحیح
نقشہ سامنے آسکتا ہے۔ اس سلسلہ کے دو ایک واقعات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:

حضرت ام ورقہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے قرآن جمع کیا تھا۔ ایک

---

[1] ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۴۰۴۔ خزرجی، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال: ۳/ ۳۹۴۔

[2] ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب فی المتوفی عنھا تنتقل۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے ابن سعد، الطبقات: /۳۶۷۔

اور روایت میں آتا ہے کہ وہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کریں۔ ان کے لیے ایک موذن بھی مقرر فرما دیا تھا[1]

رسول اللہ ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے کہا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ اس نے سوال کیا: آخر وہ کیوں نہیں جائے گی؟ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ وہ قرآن پڑھی ہوئی تھی (اس لیے) آپ نے اس سے کہا:

اَمَا تَقْـرَئِيْنَ الْقُـرْاٰنَ اِنَّـا	کیا تم قرآن نہیں پڑھتی ہو۔ اللہ نے
اَنْشَـاْنَاهُنَّ اِنْشَـاءً فَجَعَلْنَـاهُنَّ	فرمایا ہے ہم نے ان عورتوں کو پھر سے پیدا
اَبْكَارًا[2]	کیا ہے اور انہیں باکرہ بنا دیا ہے۔

مطلب یہ کہ بوڑھی عورتیں بھی جوان ہوکر جنت میں جائیں گی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو رائطہ (بنت حیان) نامی باندی عطا کی تھی روایات میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اسے قرآن مجید کی تھوڑی سی تعلیم دی تھی[3]

قرآن و حدیث دین کی اساس ہیں۔ ان ہی دو ذرائع سے اصلاً دین کی تفصیلات ملتی ہیں اور راہ نمائی حاصل ہوتی ہے۔ دین کی اساس کو مستحکم کرنے اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے میں صحابیات کے کردار کی کسی قدر تفصیل کے بعد عہد تابعین کی بعض ان خواتین کا ذکر کیا جا رہا ہے، جو علم وفضل میں اپنا ایک مقام رکھتی تھیں۔

ام الدرداء الجیمہ[4]

عثمان بن ابو العاتکہ اور ام جابر بیان کرتے ہیں کہ ام درداء کی پرورش ابودر نے کی تھی۔ وہ چھوٹی سی تھیں کہ برنس (لمبا سا کرتا جس سے سر بھی ڈھک جاتا ہے

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۴۵۷۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۵۱۹، ابن حجر، الاصابہ ۸/۴۸۹، ۴۹۰ [2] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الادب، باب المزاح بحوالہ رزین۔

[3] ابن اثیر، اسد الغابہ: ۷/۱۰۶۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/۱۳۰۔

[4] حضرت ابودرداء کی دو بیویاں تھیں، دونوں کی کنیت ام الدرداء تھی۔ ان میں جو بڑی تھیں وہ صحابیہ تھیں اور چھوٹی تابعیہ۔ بڑی کا نام خیرہ اور چھوٹی کا جہیمہ تھا۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/۳۵۹، ۳۶۰۔

ہنے ہوئے حضرت ابودرداء کے ساتھ آیا جایا کرتی تھیں۔ مردوں کی صفوں میں نماز
ھنے کھڑی ہوجاتیں۔ قاریوں کے حلقوں میں بیٹھ جاتیں۔ جب بڑی ہوگئیں تو
ضرت ابودرداء نے کہا کہ تم عورتوں کی صفوں میں شامل ہوجاؤ۔[1]

ان کے علمی شغف کا اندازہ عوف بن عبد اللہ کے ایک بیان سے ہوتا ہے۔
رماتے ہیں: ہم لوگ حضرت ام درداء کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب زیادہ وقت گزر
یا تو ہم نے کہا کہ آپ کو ہم نے بہت پریشان کیا۔ آپ اکتاہٹ محسوس کر رہی ہوں گی؟
ہوں نے جواب دیا: میرا مقصد ہر کام میں اللہ کی عبادت رہا ہے۔ علماء کی صحبت میں
ٹھنے اور ان سے بحث و مذاکرہ سے جتنا سکون اور اطمینان محسوس ہوتا ہے کسی بھی کام
ں نہیں محسوس ہوتا۔ پھر وہ پردے میں چلی گئیں اور ایک شخص سے قرآن کی تلاوت
کے لیے کہا: اس نے وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ الخ آیات پڑھیں۔

فرمایا: سب سے فضیلت والا علم تو اللہ کی پہچان ہے۔

عبد ربہ ان سے پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں: ایک دن تختی پر یہ لکھا: تَعَلَّمُوا
لحِكْمَةَ صِغَارًا تُعَلِّمُوْنَهَا كِبَارًا (بچپن میں حکمت و دانائی سیکھو۔ بڑے ہوکر دوسروں کو
لھاؤ گے) اِنَّ كُلَّ زَارِعٍ حَاصِدٌ مَا زَرَعَ مِنْ خَيْرٍ اَوْ شَرٍّ (ہر کسان جو بھی اس نے
بھا یا برا بویا ہے ضرور اسے کاٹے گا)۔[2]

انھوں نے حضرت ابو درداءؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت فضالہ بن عبیدؓ،
ضرت ابوہریرہؓ، حضرت کعب بن عاصمؓ اور حضرت عائشہؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔
فظ ابن حجرؒ نے ان سے حدیث سننے اور روایت کرنے والے اُنیس (۱۹) بزرگوں کے
ر کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی ان سے روایت حدیث کی ہے۔[3]

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲ / ۴۱۴۔
نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲ / ۳۶۰، ۳۶۱۔
ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۲ / ۴۱۴۔

رَوَی عَنۡهَا خَلائِقُ مِنۡ کِبَارِ التَّابِعِیۡنَ[1] — ان سے اکابر تابعین کی بڑی تعداد نے روایت کی ہے۔

امام ذہبیؒ نے ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

کَانَتۡ فَقِیۡهَةً عَالِمَةً عَابِدَةً مَلِیۡحَةً جَمِیۡلَةً وَاسِعَةَ الۡعِلۡمِ وَافِرَةَ الۡعَقۡلِ[2] — وہ فقیہہ، عالمہ، عابدہ، حسین و جمیل، وسیع علم اور بڑی عقل والی تھیں۔

عمرہ بنت عبد الرحمٰن

یہ حضرت عائشہؓ کی گود میں پلی ہوئی اور ان کی خاص تلامذہ میں تھیں۔ سن ۹۸ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ کے علاوہ امّ ہشام بنت حارثہ، حبیبہ بنت سہل اور حضرت امّ حبیبہ، حمنہ بنت جحش سے بھی روایت حدیث کی ہے۔ ان سے اپنے وقت کے اکابر نے احادیث روایت کی ہیں، جن میں امام زہری، عبد اللہ بن ابوبکر بن حزم یحیٰ بن سعید انصاری، عروہ بن زبیر، سلیمان بن یسار اور عمرو بن دینار جیسے ائمہ شامل ہیں۔ ان کو فقیہ اور دورِ تابعین کی خواتین کی سردار کہا گیا ہے[3]

ان کی علمی عظمت کا اندازہ ان رایوں سے ہوتا ہے جو اکابر محدثین نے ان کے بارے میں ظاہر کی ہیں۔ ابن معین کہتے ہیں: ثقۃ حجۃ[4] یعنی وہ قابل اعتماد اور حجت ہیں۔ احمد بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین کو بہت ہی شان دار الفاظ میں ان کا ذکر کرتے سنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والے ثقہ اور قابل اعتماد لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ابن حبان اور عجلی نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی روایات کا سب سے زیادہ علم ان ہی کو تھا

---

[1] نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/۳۶۰۔

[2] ذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ۱/۵۰۔

[3] صفی الدین خزرجی، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال: ۳/۳۸۸۔

[4] یہ فن حدیث کی ایک اصطلاح ہے۔ اس طرح کی اصطلاحات کا پورا مفہوم ترجمہ سے ادا نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والوں میں عمرہ بنت عبد الرحمٰن، قاسم بن محمد اور عروہ بن زبیر سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ عبد الرحمٰن بن قاسم کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کی روایات ان سے دریافت کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے محمد بن عبد الرحمٰن کو لکھا کہ حضرت عائشہؓ کی روایات کا ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے۔[1]

ابن سعد کہتے ہیں: وہ عالمہ تھیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر بن محمد بن حزم کو ان کی احادیث لکھنے کا حکم دیا تھا۔[2]

حفصہ بنت سیرین

بارہ برس کی عمر میں قرآن کی تعلیم سے فارغ ہوگئیں۔ یحییٰ بن سیرین، انس بن مالکؓ، ام عطیہ انصاریہ، ام الرائح، ابو العالیہ، ابو ذبیان، ربیع بن زیاد اور حضرت حسن بصری کی والدہ خیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان سے محمد بن سیرین، قتادہؓ، عاصم الاحول، ایوب سختیانی، خالد الحذاء، ابن عون، ہشام بن حیان جیسے بزرگوں نے روایتِ حدیث کی ہے۔

امام ابن معینؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: 'ثقۃ حجۃ' (قابل اعتماد اور حجت ہیں)۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

ایاس بن معاویہ کہتے ہیں:

مَا اَدْرَكْتُ اَحَدًا اُفَضِّلُهٗ عَلٰى حَفْصَةَ — میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسے حفصہ بنت سیرین سے برتر کہوں۔

۱۰۱ھ میں وفات پائی۔[3]

---

1. ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۳۸۹۔
2. ابن سعد، الطبقات: ۸/ ۴۸۰۔
3. ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۳۶۰، ۳۶۱۔

عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص

عائشہ بنت سعد نے امہات المومنین میں سے چھ کو دیکھا تھا۔ فرماتی ہیں بچپن میں جب میں ان میں سے کسی کے پاس جاتی تو وہ گود میں بٹھا لیتیں اور برکت کی دعائیں دیتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں ان سے عقیدت پائی جاتی تھی۔ حبیب بن مرزوق کہتے ہیں کہ میں نے مسجد کے باہر ایک خاتون کو دیکھا۔ ان کے ساتھ کچھ خواتین تھیں اور شمع جل رہی تھی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی صاحب زادی عائشہؓ ہیں[1]

انھوں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور امّ ذر سے روایت حدیث کی ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں جعید بن عبد الرحمٰن، ایوب سختیانی، حکم بن عتیبہ، خزیمہ، ابو الزناد، مہاجر بن مسمار، عبیدہ بنت نابل اور امام مالک جیسی شخصیتیں داخل ہیں۔ خلیل کہتے ہیں: امام مالکؒ نے ان کے علاوہ کسی اور خاتون سے روایت نہیں کی ہے۔ ابن حبان نے 'ثقات' میں ان کا ذکر کیا ہے۔ عجلی نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ۱۱۷ھ میں وفات پائی[2]

عائشہ بنت طلحہ

عائشہ بنت طلحہ کی والدہ حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی امّ کلثوم تھیں۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان سے ان کے لڑکے طلحہ بن عبد اللہ حبیب بن عمرو، ان کے بھتیجے طلحہ بن یحییٰ، ایک اور بھتیجے معاویہ بن اسحاق، موسیٰ بن عبید اللہ فضیل بن عمرو، منہال بن عمرو، عطاء بن ابی رباح اور عمرو بن سعید نے روایت کی ہے۔ ابن معین ان کے بارے میں کہتے ہیں 'ثقة حجة' (قابل اعتماد اور حجت ہیں)۔ عجلی

۱۔ ابن سعد، الطبقات: ۸/ ۴۶۷، ۴۶۸۔

۲۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۴۳۸۶، ۳۸۷۔

رابن حبان نے بھی انہیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابو زرعہ دمشقی جیسے محدث کہتے ہیں:

حَدَّثَ عَنْهَا النَّاسُ لِفَضْلِهَا وَ اَدَبِهَا[1]

لوگوں نے ان کے علم و فضل اور ادب و اخلاق کی وجہ سے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔

یرہ ام الحسن

خیرہ ام الحسن بصری حضرت ام سلمہؓ کی باندی تھیں۔ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ائشہؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان سے ان کے دولڑکے حسن بصری، سعید بصری کے علاوہ علی بن زید بن جدعان، معاویہ بن قرہ مزنی اور حفصہ بنت سیرین نے بھی وایت کی ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔[2]

اب ہم دورِ تابعین کے بعد کی بعض خواتین کا ذکر کریں گے۔

میدہ نفیسہ

اہلِ بیت سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ نفیسہ بنت حسن بن زید بن حسن بن لی بن ابی طالب۔ اپنے شوہر اسحاق بن جعفر الصادق کے ساتھ مصر پہنچیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ وہ اپنے والد حسن کے ہم راہ پہنچی تھیں۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ نفیسہ ہت نیک اور خدا ترس خاتون تھیں۔ علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ روایت ہے کہ امام شافعیؒ صر پہنچے تو ان کی خدمت میں گئے اور حدیث سنی۔ امام موصوف کا انتقال ہوا تو جنازہ ان کے گھر پہنچایا گیا اور انھوں نے گھر ہی کے اندر سے نمازِ جنازہ پڑھی۔ ابن خلکان فرماتے ں: مصریوں کو ان کے ساتھ بڑا اعتقاد رہا ہے۔ ۲۰۸ھ میں وفات پائی۔[3]

نت سعید بن المسیب

حضرت سعید بن المسیبؒ کو سید التابعین کہا جاتا ہے۔ ان کے ایک شاگرد

---

[1] تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۴۳۶، ۴۳۷۔

[2] تہذیب التہذیب: ۱۲/ ۴۱۶۔

[3] ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۵/ ۵۶، ۵۷۔

ابووداعہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن مسیبؒ کے درس میں شریک ہوتا تھا
ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ چند دن تک انھوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ جب میں دوبا
پہنچا تو پوچھا: کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا: بیوی کا انتقال ہوگیا تھا، اس وجہ سے حاض
نہیں ہوسکا۔ فرمایا: تم نے ہمیں اطلاع نہیں دی، ورنہ ہم بھی جنازہ میں شریک ہوتے
جب میں اٹھنے لگا تو فرمایا: کیا دوسری شادی نہیں کی؟ میں نے عرض کیا: اللہ کی رحمتیر
ہوں آپ پر۔ اس غریب کو کون اپنی لڑکی دے گا؟ میرے پاس تو دو تین درہم سے زیا
کچھ نہیں ہے، فرمایا: میں تمہارا نکاح کرادوں؟ بتاؤ کیا تیار ہو؟ میں نے ہاں کہہ دیا
حضرت نے حمد و صلوٰۃ کے بعد اپنی لڑکی سے میرا نکاح کردیا اور دو تین درہم مہر مقر
فرمایا۔ جب میں مجلس سے اٹھا تو خوشی کے مارے میرا عجیب حال تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیر
آرہا تھا کہ کیا کروں، کیا نہ کروں؟ گھر پہنچ کر کسی سے قرض لینے کی سوچ رہا تھا۔ مغرب
کی نماز پڑھی۔ اس دن میں روزہ سے تھا۔ کھانے کے لیے بیٹھا ہی تھا اور کھانا بھی بس
روٹی اور تیل تھا کہ کسی کے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ میں نے نام پوچھا، جواب ملا
سعید! میں ایک لحہ کے لیے سوچنے لگا: کون سعید ہوسکتے ہیں؟ ہر وہ شخص میرے ذہر
میں آیا جس کا نام سعید تھا اور جس سے میں واقف تھا، لیکن حضرت سعید بن مسیّب کی
طرف میرا ذہن منتقل نہیں ہوا۔ اس لیے کہ چالیس برس سے گھر اور مسجد ہی کے درمیار
ان کی آمد و رفت تھی۔ کہیں آتے جاتے نہیں تھے۔ جب باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت
سعید بن مسیب کھڑے ہیں۔ دیکھتے ہی پہلا خیال یہ ہوا کہ شاید حضرت کی رائے بدل
گئی ہو۔ عرض کیا: ابومحمد! آپ نے کیوں زحمت فرمائی؟ اگر اطلاع بھجوا دیتے تو میں خو
حاضر ہوجاتا۔ فرمایا: نہیں! اس وقت تم اس کے زیادہ مستحق ہو کہ تمہارے پاس میر
آؤں۔ میں نے تشریف آوری کی وجہ پوچھی تو فرمایا: تم جوان آدمی ہو۔ تمہاری شادی
ہوچکی ہے۔ اچھا نہیں لگا کہ تم بغیر بیوی کے یہاں رہو۔ یہ تمہاری بیوی ہے۔ اسے لے
جاؤ۔ میں نے دیکھا کہ وہ ان کے پیچھے کھڑی ہے۔ پھر اسے انھوں نے گھر کے اندر کر

ور دروازہ بند کر کے تشریف لے گئے۔ لڑکی شرم سے گر پڑی۔ اب میں نے چھت پر
ڑھ کر پاس پڑوس والوں کو آواز دی۔ سب نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ میں نے
کہا: سعید بن مسیّب نے اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دیا ہے اور اسے اچانک پہنچا کر
چلے بھی گئے ہیں۔ دیکھو یہ میرے گھر موجود ہے۔ چناں چہ لوگ آئے، میری ماں کو خبر
پہنچی تو وہ بھی آئی اور قسم دے کر کہا کہ تین دن تک میں اسے سنواروں گی، پھر اس کے
ند اسے ہاتھ لگانا۔ تین دن کے بعد جب میں نے اسے دیکھا تو وہ سب سے خوب صورت،
رآن کی بہت بڑی حافظ، رسول اللہ ﷺ کی سنت کی سب سے زیادہ واقف اور شوہر
کے حقوق کی پہچاننے والی نکلی۔ ایک مہینہ تک نہ تو سعید بن مسیّب میرے ہاں تشریف
ئے اور نہ میں ہی ان کی خدمت میں حاضر ہو سکا۔ ایک مہینہ کے بعد حلقۂ درس میں
ہنچا، سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا اور مزید کوئی بات نہیں کی۔ جب سب لوگ
چلے گئے اور میرے سوا کوئی باقی نہ رہا تو کہا، لڑکی کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا: ایسی کہ
وست پسند کریں اور دشمنوں کو ناپسند ہو۔ فرمایا اگر تمھیں کوئی بات کھٹکے تو تم اس کی
ادیب بھی کر سکتے ہو۔ حضرت سعید بن مسیّب کی یہ لڑکی وہ تھی کہ اس کے لیے خلیفۂ
قت عبد الملک بن مروان نے اپنے لڑکے ولید کے لیے اس وقت پیغام بھیجا تھا جب
ں نے اسے ولی عہد مقرر کیا تھا، لیکن حضرت سعید بن مسیّب نے پیغام رد کر دیا۔ عبد
ملک مختلف تدبیریں کرتا رہا۔ بالآخر سردی میں انھیں پٹوایا اور ٹھنڈا پانی ان پر ڈلوایا، لیکن
ں پر بھی وہ آمادہ نہیں ہوئے[1]

اسی واقعہ کے ذیل میں یہ بھی آتا ہے کہ شادی کے بعد دوسرے دن ابووداعہ
نب حلقۂ درس میں شرکت کی تیاری کرنے لگے تو صاحب زادی نے کہا: 'اِجْلِسْ
عَلِّمُکَ عِلْمَ سَعِیْدٍ' (تشریف رکھیے، سعید بن مسیّب، جو تعلیم دیتے ہیں وہ میں یہیں
ے دوں)[2]

---

[1] ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۲ / ۱۱۷-۱۱۹۔

[2] ابن الحاج، المدخل: ۱ / ۲۱۵۔

اس واقعہ میں عبرت کے بہت سے پہلو ہیں۔ لیکن دو پہلو بہت نمایاں ہیں ایک تو اس سے حضرت سعید بن مسیب کے کردار پر روشنی پڑتی ہے کہ انھوں نے اپنی لڑکی کے لیے ایک شہنشاہ کے لڑکے کے مقابلہ میں ایک طالب علم کو ترجیح دی۔ دوسری بات یہ کہ ایک لڑکی سعید بن مسیبؒ جیسے امام وقت کی علم میں نیابت بھی کرسکتی ہے۔

المؤید زینب بنت ابو القاسم

۵۲۴ھ میں نیشا پور میں پیدا ہوئیں اور ۶۱۵ھ میں نیشاپور ہی میں وفات پائی۔ ابن خلکان ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

عالمہ تھیں، اکابر علماء کی ایک جماعت کی صحبت اٹھائی، ان سے حدیث پڑھی اور دوسروں کو حدیث کا درس اور سند دینے کی اجازت حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں ابوالقاسم نیشا پوری، ابو القاسم زاہر، ابو بکر وجیہ، ابو المظفر، ابو الفتوح عبد الوہاب وغیرہ داخل ہیں۔ ان کو روایت حدیث کی اجازت حافظ ابو الحسن عبد الغافر الفارسی اور علامہ ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری صاحب کشاف جیسے اساتذہ سے حاصل تھی۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں بھی ان کے سلسلے سے اجازتِ حدیث حاصل ہے۔[1]

شہدہ بنت ابی نصر

عالمہ بھی تھیں اور اچھی کاتبہ بھی۔ ابن خلکان کہتے ہیں:

سَمِعَ عَلَيْهَا خَلْقٌ كَثِيْرٌ   بڑی تعداد نے ان سے حدیث پڑھی ہے۔

فرماتے ہیں: ان کو سماعِ عالی حاصل تھا۔ مطلب یہ کہ ان کو اس طرح کی سند حاصل تھی جس میں رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کرنے میں راویوں کا سلسلہ کم ہوجاتا ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ بہت بڑا امتیاز ہے۔ انھوں نے اپنے وقت کے بڑے بڑے اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ ابن خلکان مزید لکھتے ہیں:

وَ اشْتَهَرَ ذِكْرُهَا وَ بَعُدَ صِيْتُهَا   ان کا بڑا چرچا ہوا اور دور تک ان کی شہرت پھیلی

---

[1] ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۲/ ۹۲۔

۵۷۴ھ میں وفات پائی۔[1]

اب ہم عوام کی سطح کا ایک واقعہ پیش کرتے ہیں۔ خلیفہ منصور کی لڑکی اور ہارون الرشید کی بیوی امّ جعفر کے حالات میں آتا ہے کہ اس کے محل میں سو باندیاں تھیں، جو سب کی سب حافظ قرآن تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے ضروری تھا کہ روزانہ تین پارے پڑھے۔ اس کے محل سے قرآن کی تلاوت کی آواز اس طرح آتی تھی جیسے شہد کے چھتہ سے مکھیوں کی آواز آتی ہے۔[2]

جس دور کی باندیاں حفاظ قرآن ہوں، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس دور کی دوسری خواتین علم و فضل کے کس مقام پر فائز رہی ہوں گی۔



۱۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۲/ ۱۷۲۔
۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۲/ ۷۰۔

مسلمان عورت

(دینی، سماجی اور سیاسی خدمات)

دورِ اول کی خواتین معاشرے سے منقطع یا بے تعلق نہیں تھیں۔ وہ اس کے
سائل سے دلچسپی لیتی رہی ہیں۔ انھوں نے دعوت وتبلیغ، معاشرتی خدمات اور سیاسی
ِمعاملات میں اہم کردار ادا کیا ہے اور غلبۂ دین کی کوششوں میں بھی حصہ لیا ہے۔
ئندہ صفحات میں اس کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

وت وتبلیغ

اسلام کا ماننا یا نہ ماننا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، جس کا انسانی زندگی پر کوئی اثر
پڑتا ہو، بلکہ یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ اس سے دنیا و آخرت کی کامیابی وابستہ ہے۔ جو
ے اللہ کے اس دین کو قبول کریں ان کی ذمے داری ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچائیں
. دنیا پر اس کی اہمیت واضح کریں۔ یہ ذمے داری مردوں کی بھی ہے اور عورتوں کی
ں۔ چناں چہ دنیا میں اسلام اسی طرح پھیلا کہ دونوں نے اس ذمے داری کو محسوس کیا
. اس کو پورا کرنے میں لگ گئے۔ مسلمان خواتین نے مشکل ترین حالات میں بھی اس
ں کو جس طرح انجام دیا اس کا اندازہ ذیل کے دو چار واقعات سے ہوسکتا ہے:

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم بنت ملحانؓ اپنی سوجھ بوجھ اور دانائی میں مشہور
یں۔ علامہ ابن عبد البرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

كَانَتْ مِنْ عُقَلَاءِ النِّسَاءِ[۱] — عاقل اور دانا عورتوں میں سے ایک تھیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

كَانَتْ مِنْ فَاضِلَاتِ الصَّحَابِيَاتِ[۲] — علم و فضل والی صحابیات میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

نیکی اور تقویٰ میں بھی ان کا بڑا اونچا مقام تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے جنت کا مشاہدہ کیا۔ وہاں میں نے کسی کی چاپ سنی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کس کے چلنے کی آواز ہے؟ بتایا گیا: غمیصاء (ام انسؓ) کی آواز ہے۔[۳]

مدینہ میں اسلام پہنچا تو انھوں نے سبقت کی اور اسلام لے آئیں۔ اس وقت ان کے شوہر مالک بن نضر مدینہ سے باہر تھے۔ واپس ہوئے تو انھیں اس کا علم ہوا۔ کہ کیا بے دین ہوگئی ہو؟ جواب دیا: نہیں! محمد ﷺ پر ایمان لائی ہوں۔ حضرت انس بن مالکؓ گود میں تھے۔ انھیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بولنا سکھاتی تھیں۔ دیکھ کر شوہر نے کہا کہ میرے بچہ کا بھی دین نہ خراب کرو۔ کہا: اس کا دین خراب نہیں کر رہی ہوں (بلکہ صحیح دین کی تعلیم دے رہی ہوں)۔

شوہر کو اسلام کی دعوت دیتی رہیں، لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔ خفا ہو کر شام چلے گئے۔ وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔[۴]

شوہر کے انتقال کے بعد مشہور صحابی حضرت ابوطلحہؓ نے ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن اس وقت تک وہ اسلام نہیں لائے تھے۔ ام سلیمؓ نے ان سے کہا کہ آپ مشرک ہیں اور میں اسلام لا چکی ہوں۔ جب تک آپ بھی اسلام نہیں لے آتے ہم دونوں کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ ام سلیمؓ نے ان کے سامنے جس طرح شرک کی تردید کی اور توحید

۱۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۹۴۔

۲۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/ ۳۶۳۔

۳۔ بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب مناقب عمرؓ۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل ام سلیم

۴۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۹۴۔

ابت کیا اس کا ذکر متعدد روایات میں آتا ہے۔ انھوں نے ان کو سمجھایا۔ سوچیے! یہ پتھر
ر لکڑی کے بت جن کی آپ پوجا کرتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ فلاں قبیلہ کے
نگ تراش نے زمین سے پتھر اٹھایا اور بت بنا کر کھڑا کر دیا۔ فلاں بڑھئی نے لکڑی
مین سے نکالی اور ایک مورت بنا دی۔ یہ آپ کو نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔
پ چاہیں تو لکڑی کے اس بت کو جلا کر راکھ کر سکتے ہیں۔ اسے سجدہ کرتے ہوئے
پ کو شرم آنی چاہیے۔ ظاہر ہے یہ گفتگو مختلف اوقات میں ہوئی ہوگی۔ آہستہ آہستہ ان
کے ذہن کی گرہیں کھل گئیں۔ ایک دن انھوں نے کہا: تمھاری بات میری سمجھ میں
گئی۔ اب میں اسلام لاتا ہوں۔ اس کے بعد امّ سلیمؓ نے ان سے کہا: اب جب کہ
پ اسلام قبول کر چکے ہیں تو ہم دونوں کا نکاح بھی ہو سکتا ہے۔ چناں چہ ان کا نکاح
وا اور حضرت امّ سلیمؓ نے (اس خوشی میں) ان سے مہر بھی نہیں لیا۔[1]

تبلیغ صرف زبان ہی سے نہیں ہوتی، بلکہ آدمی کا کردار اور اس کا مضبوط رویہ
ھی تبلیغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ کسی مسلک پر انسان کی ثابت قدمی، اس کے لیے قربانی
ر اسے غالب و سربلند دیکھنے کی تڑپ بعض اوقات وعظ و تبلیغ سے زیادہ کارگر ہوتی ہے
ر بڑے بڑے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ مسلمان خواتین کی استقامت اور
بت قدمی نے اسلام کے سخت ترین مخالفین کو اپنی جگہ سے ہلا دیا ہے اور وہ اسلام کے
رے میں سوچنے اور اسے قبول کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

حضرت عمرؓ شروع میں اسلام کے شدید مخالف رہے ہیں۔ روایات سے معلوم
وتا ہے کہ بعض واقعات نے ان کے دل و دماغ کو بے حد متاثر کیا اور وہ اسلام کے
لقہ بہ گوش ہو گئے۔ ان میں دو واقعات کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:

۱- عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی خیثمہ (ام عبد اللہ) قدیم الاسلام
ں۔ مکہ میں حالات جب ناقابل برداشت ہو گئے تو مسلمان ہجرت کر کے حبشہ جانے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۴۲۶، ۴۲۷۔
ابن حجر، الاصابہ: ۸/ ۴۰۸-۴۱۰۔

لگے۔ ان ہی میں یہ دونوں بھی تھے۔ لیلیٰ بنت ابی خیثمہ کہتی ہیں کہ ہم لوگ سفر کے لیے پوری طرح تیار ہو چکے تھے۔ عامر کسی ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے کہ اسی اثنا میں عمر بن خطاب آئے۔ جب ہمیں پا بہ رکاب دیکھا تو کہنے لگے: ام عبد اللہ! کیا اب روانگی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! قسم خدا کی! ہم یہاں سے کہیں بھی چلے جائیں گے۔ دیکھیں اللہ تعالیٰ نجات کی کیا صورت پیدا کرتا ہے؟ آپ لوگوں نے تو ہمیں سخت پریشان کر رکھا ہے۔ اس پر انھوں نے خدا حافظ کہا اور چلے گئے۔ اس وقت میں نے ان کے اندر وہ رقت دیکھی، جو پہلے نہیں دیکھی تھی۔ میرے خیال میں ہمارے مکہ چھوڑنے کا انہیں افسوس تھا۔ جب عامر واپس گھر پہنچے تو میں نے کہا: اگر آپ عمر کی رقت اور غم و حزن دیکھتے تو تعجب کرتے۔ انھوں نے کہا: شاید تمہیں ان کے اسلام لانے کی توقع ہو چلی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! لیکن حضرت عمرؓ کی سختی کی وجہ سے وہ بالکل مایوس تھے، کہنے لگے کہ خطاب کا گدھا جب تک اسلام نہ لائے عمر بھی اسلام نہیں لا سکتا[1]

بظاہر اس وقت ان دونوں کی مظلومی اور بے بسی، سختی کے باوجود اپنے دین پر ثابت قدمی، اس کے لیے ہجرت، خویش و اقارب اور گھر بار کا چھوڑنا یہ ساری باتیں ایک ایک کر کے حضرت عمرؓ کی نگاہوں کے سامنے آ گئی ہوں گی اور وہ سوچنے لگے ہوں گے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ وہ کون سا جرم ہے جس کے لیے انھیں اس قدر تنگ کیا جا رہا ہے؟

۲- حضرت عمرؓ سے پہلے ان کی بہن فاطمہ بنت خطابؓ اور ان کے بہنوئی سعید بن زیدؓ اسلام لا چکے تھے۔ البتہ حضرت عمرؓ کے ڈر سے اسے مخفی رکھا تھا۔ ادھر حضرت عمرؓ اس بات پر سخت برہم تھے کہ رسول اللہ ﷺ باپ دادا کے دین پر تنقید کرتے ہیں، ان کو نادان اور غلط کار بتا رہے ہیں اور ان کی وجہ سے قریش میں افتراق و انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ ایک دن وہ اس ارادے سے نکلے کہ (نعوذ باللہ) آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا کام تمام کر دیں، تا کہ یہ سارا ہنگامہ ہی ختم ہو جائے۔ راستہ میں نعیم بن عبد اللہ

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۸۰۔ ابن اثیر الجزری، اسد الغابۃ: ۷/۲۴۹، ابن حجر، الاصابۃ: ۸/۳۰۵

سے ملاقات ہوگئی۔ ان کو حضرت عمرؓ کے ارادہ کا علم ہوا تو کہا: اپنا ارادہ بدل دو۔ محمد (ﷺ) پر ہاتھ اٹھاؤ گے تو بنو عبد مناف تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ ان کو قتل کر کے تم زندہ نہیں بچ سکتے۔ اگر محمدؐ اور ان کا دین غلط ہے تو جاؤ اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو۔ وہ دونوں بھی اسلام لا چکے ہیں اور محمدؐ کی پیروی کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی سارا غصہ بہن اور بہنوئی کی طرف مڑ گیا۔ سیدھے ان کے گھر پہنچے۔ حضرت خبابؓ حضرت فاطمہؓ کو قرآن مجید پڑھانے کے لیے ان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ اس وقت وہ میاں بیوی کو سورۂ طٰہٰ پڑھا رہے تھے۔ چناں چہ حضرت عمرؓ نے باہر سے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ پوچھا: یہ کیسی بھنبھناہٹ تھی؟ جواب ملا کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بپھر گئے اور کہا: مجھے خبر ہے، تم لوگ بھی محمد (ﷺ) کے ساتھ ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر سعید بن زید کو پیٹنے لگے۔ بہن بچانے کے لیے دوڑیں تو انہیں بھی زخمی کر دیا۔ زخموں نے ان دونوں کو ہراساں نہ کیا، بلکہ ان کی حرارتِ ایمانی جوش میں آ گئی۔ کہا: ہاں! ہم خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب تمہارا جو جی چاہے کر گزرو۔ اس استقامت نے حضرت عمرؓ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ بہن کو خون آلود دیکھ کر دل میں نادم ہوئے، کہا: جو کتاب تم پڑھ رہے تھے لاؤ۔ دیکھوں تو محمدؐ کیا کہتے ہیں؟ بہن نے کہا: آپ ناپاک ہیں، اس کتاب کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور سورۂ طٰہٰ پڑھنی شروع کی۔ بات دل میں اترتی چلی گئی اور پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔[1]

ایسا بھی ہوا ہے کہ شوہر کو ایمان کی سعادت نصیب نہیں ہوئی یا دیر میں نصیب ہوئی اور بیوی ایمان لے آئیں۔ شوہر کی عدم رفاقت کے باوجود اس پر ثابت قدم رہیں۔

حضرت ابو العاصؓ حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے اولاد کی طرح ان کی پرورش کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی آپ کی بڑی صاحب زادی حضرت زینبؓ سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔ یہ دورِ جاہلیت میں بھی اپنی نیکی،

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ١/٣٨١-٣٨٤۔

شرافت اور دیانت میں مشہور تھے، لیکن اسلام کی دولت انہیں فتح مکہ سے کچھ پہلے حاصل ہوئی۔ حضرت زینبؓ جنگ بدر کے بعد مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئیں۔ اس طرح بعثت کے بعد وہ پندرہ برس تک مکہ میں ان کے ساتھ رہیں[1]

یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت زینبؓ اور حضرت خدیجہؓ نے ان کو سمجھانے اور اسلام کی حقانیت واضح کرنے کی ضرور کوشش کی ہوگی۔ گو حضرت ابو العاصؓ بہت تاخیر سے اسلام لائے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں ان کوششوں کا دخل نہیں تھا؟

امّ حکیم بنت حارث جنگ اُحد میں مشرکین کی طرف سے شریک جنگ ہوئی تھیں۔ فتحِ مکہ کے بعد اسلام لائیں، لیکن ان کے شوہر عکرمہ بن ابو جہلؓ یمن فرار ہوگئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور شوہر کے لیے امان حاصل کی۔ پھر آپؐ کی اجازت سے یمن گئیں، شوہر کو تلاش کر کے اپنے ساتھ لائیں اور آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے بعد وہ بھی اسلام لے آئے[2]

حضرت خالد بن ولیدؓ کی بہن فاختہ بنت ولیدؓ فتح مکہ کے بعد اسلام لائیں اور بیعت کی۔ لیکن ان کے شوہر صفوان بن امیہ خودکشی کے ارادے سے یمن کی طرف فرار ہوگئے۔ وہ سمندر میں خودکشی کرنا چاہ رہے تھے۔ عمیر بن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے لیے پناہ حاصل کی اور واپس ہوئے۔ اس میں ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ رسول اللہؐ نے فاختہ اور صفوان کا، اسی طرح امّ حکیم اور حضرت عکرمہ کا نکاح باقی رکھا[3]

اُمّ ہانیؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی صاحب زادی اور حضرت علیؓ کی سگی بہن تھیں۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لائیں، لیکن ان کے شوہر ہبیرہ مکہ سے نجران فرار

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/ ۲۶۹، ۲۷۰

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۴/ ۵۹، ۶۷، ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۸۶۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۷/ ۳۰۹

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴/ ۶۶، ۶۷۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۴۷۔ ابن حجر، الاصابہ: ۸/ ۲۵۷۔

ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔ باپ دادا کے دین کو چھوڑنے کے لیے آخر وقت تک تیار نہیں ہوئے[1]

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان خواتین نے اسلام قبول کرنے میں اپنے شوہروں کی بھی پروا نہیں کی، پھر صبر و سکون اور حکمت کے ساتھ انھیں سمجھایا، دعوت دی، بڑے بڑے مخالفین کو قبولِ اسلام پر آمادہ کیا۔ ان کی معافی اور جان بخشی کے لیے تگ و دو کی اور اس سلسلہ میں زحمتیں برداشت کیں۔ اس طرح دعوتِ دین کا حق ادا کیا اور ان لوگوں کو دنیا اور آخرت کی کامیابی سے ہم کنار کیا، جو اس سے بہت دور ہو چکے تھے۔

معاشرتی تعلقات

دورِ اول کی خواتین معاشرے سے غیر متعلق اور کٹی ہوئی نہیں رہتی تھیں، بلکہ اس کے رنج و راحت اور خوشی اور غم میں شریک ہوتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو بڑی اہمیت دی کہ عورتوں کے تعلقات اپنے پڑوسیوں سے اچھے ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ فلاں عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بکثرت نماز پڑھتی ہے، روزے رکھتی ہے اور صدقہ و خیرات بھی بہت کرتی ہے، لیکن اپنی بد زبانی کی وجہ سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: وہ جہنم میں جائے گی۔ اس نے کہا: اس کے برخلاف فلاں عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نفل نمازوں اور روزوں کا کم ہی اہتمام کرتی ہے اور کچھ پنیر وغیرہ صدقہ کر دیتی ہے، لیکن خوش اخلاق ہے، اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی۔ آپؐ نے فرمایا: وہ جنت میں جائے گی[2]

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴/۶۹۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۵۱۷، ۵۱۸۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/ ۴۸۵، ۴۸۶۔

[2] قال المنذری: رواہ احمد والبزار و ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح الاسناد، ورواہ ابو بکر بن ابی شیبہ باسناد صحیح ایضاً۔ الترغیب والترہیب: ۳/ ۲۴۲۔

اس دور کی خواتین ایک دوسرے کی مدد کرتیں، ان کے دکھ درد میں کام آتیں محبت اور ہم دردی کا اظہار کرتیں اور ان کی، جو خدمت ممکن ہوتی انجام دیتیں۔

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ شادی کے بعد وہ حضرت زبیرؓ کے گھر آئیں تو سارا کام کاج ان کو کرنا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں فرماتی ہیں:

لَمْ اَکُنْ اُحْسِنُ اَخْبِزُ فَکَانَ یَخْبِزُلِیْ جَارَاتٌ مِنَ الْاَنْصَارِ وَ کُنَّ نِسْوَۃَ صِدقٍ[1]

میں روٹی اچھی نہیں پکا پاتی تھی۔ میرے پڑوس کی عورتیں جن کا تعلق انصار سے تھا روٹی پکا دیا کرتی تھیں۔ وہ بڑی مخلص اور سچی عورتیں تھیں۔

خود حضرت اسماءؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کے پاس کسی بخار والی عورت کو لایا جاتا تو وہ اس کے لیے دعا کرتیں اور گریبان کے اندر (تھوڑا سا ٹھنڈا) پانی ڈالتیں۔ فرماتیں: رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا تھا کہ ہم بخار (کی حدت) کو پانی سے ٹھنڈا کریں[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک میت کو دفن کر کے ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ واپس ہو رہے تھے۔ جب آپؐ اپنے مکان کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک خاتون آ رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کے انداز سے آپؐ نے انہیں پہچان لیا تھا، اس لیے کہ وہ حضرت فاطمہؓ تھیں۔ جب وہ قریب آئیں تو آپؐ نے ان سے پوچھا: تم گھر سے کیوں گئی تھیں؟ انھوں نے عرض کیا: میت والوں میں گئی تھی، تاکہ تعزیت کروں اور میت کے لیے کلماتِ خیر کہوں۔ آپؐ نے فرمایا: شاید تم قبرستان بھی گئی تھیں؟ انھوں نے عرض کیا: خدا کی پناہ! وہاں کیسے جاتی؟ اس سے تو آپ نے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم وہاں جاتیں تو (بڑا گناہ ہوتا)۔[3]

---

[1] مسلم، کتاب السلام، باب جواز ارداف المرأۃ الاجنبیہ الخ۔

[2] بخاری، کتاب الطب، باب الحمی من فیح جھنم۔ [3] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی التعزیۃ۔ غالباً یہ ابتدائی ہدایت تھی۔ بعض روایات سے خواتین کے لیے زیارتِ قبور کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

اس طرح کے تعلقات، اگر کسی اخلاقی خرابی کا اندیشہ نہ ہو تو عورتوں اور مردوں کے درمیان بھی ہو سکتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی زندگی میں اس کی مثالیں موجود ہیں:

اسماء بنت یزیدؓ کہتی ہیں کہ ہم کچھ عورتیں مسجد میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور سلام کیا۔[۱] ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد آپؐ نے ان کو شوہروں کے احسانات کی ناشکری کرنے سے منع فرمایا۔[۲]

اسی طرح حضرت جریر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ عورتوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کیا۔[۳]

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ جمعہ آتا تو ہم لوگ خوش ہوتے۔ ایک بوڑھی خاتون تھیں، نماز جمعہ کے بعد ہم ان کے ہاں جاتے اور سلام کرتے۔ وہ چقندر اور آٹا ملا کر ایک رقیق سی چیز تیار کر کے ہمیں کھلاتی تھیں۔[۴]

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کو سلام کیا جا سکتا ہے وہیں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ عورتیں مردوں کی خاطر تواضع اور میزبانی بھی کر سکتی ہیں۔

امّ ورقہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو شہادت سے نوازے گا۔ (اس پیشین گوئی پر سب کو یقین تھا) حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے۔ چلو! شہیدہ سے ملاقات کر آئیں اور وہ ان کی ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔[۵]

۱۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی السلام علی النساء۔ ترمذی، کتاب الاستیذان، باب ماجاء فی تسلیم علی النساء۔

۲۔ بخاری، الادب المفرد: ۲/ ۴۹۰۔ ۳۔ مسند احمد: ۴/ ۳۶۳۔

۴۔ بخاری کتاب الاستیذان۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کی روایت حسب ذیل باب کے تحت کی ہے۔ تسلیم الرجال علی النساء والنساء علی الرجال (مردوں کا عورتوں کو اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا) مطلب یہ ہے کہ حدیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔

۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/ ۴۵۷۔

بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی ایک اخلاقی ذمے داری ہے۔ اسلام نے اس کی بڑی تاکید کی ہے۔ اس سے معاشرتی تعلقات خوش گوار ہوتے ہیں اور دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں مردوں کی عیادت کی ہے خواتین کی بھی عیادت فرمائی ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک خاتون کے ہاں، جن کا نام امّ السائب یا ام المسائب تھا، تشریف لے گئے (وہ بیمار تھیں)۔ آپؐ نے ان سے پوچھا: کیا بات ہے؟ کپکپی کیوں طاری ہے؟ انھوں نے کہا: حضور! بخار ہے، اللہ اس کا بُرا کرے۔ آپؐ نے فرمایا: بخار کو برا بھلا مت کہو، اس لیے کہ اس سے بنو آدم کے گناہ اسی طرح دور ہوتے ہیں، جس طرح بھٹی سے لوہے کا زنگ دور ہوتا ہے۔[1]

حکیم بن حزامؓ کی پھوپھی ام العلاءؓ کہتی ہیں کہ میں بیمار ہوئی تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ فرمایا: اے ام العلاء! بشارت ہو، اس لیے کہ بیماری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک مسلمان کے گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے، جس طرح آگ لوہے کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔[2]

فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری خاتون کی عیادت کی۔ آپؐ نے ان سے حال پوچھا۔ انھوں نے عرض کیا: خیریت ہے، ام یلدم (ایک بیماری) نے بہت تنگ کر رکھا ہے۔ آپؐ نے صبر کی تلقین کی اور فرمایا: بیماری سے آدمی گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے بھٹی میں ڈالنے سے لوہے کا زنگ ختم ہو کر صاف ہو جاتا ہے۔[3]

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ثواب المومن فی ما یصیبہ من مرض۔

[2] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب عیادۃ النساء۔

[3] قال المنذری: رواہ الطبرانی ورواتہ رواۃ الصحیح۔ الترغیب والترہیب: ۴/ ۱۵۲۔

کُنَّ النِّسَاءُ یُسَلِّمْنَ عَلَی الرِّجَالِ[1] عورتیں مردوں کو سلام کیا کرتی تھیں

حارث بن عبید اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام درداءؓ نے انصار میں سے ایک شخص کی، جو مسجد نبوی کے قریب رہتے تھے، عیادت فرمائی[2]

ابراہیم بن ابی عبلہ کہتے ہیں کہ میری بیوی بیمار تھی۔ میں ان دنوں حضرت امّ درداءؓ کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔ وہ مجھ سے بیوی کا حال پوچھتیں۔ میں اس کی بیماری کا ذکر کرتا۔ وہ میرے لیے کھانا منگواتیں اور میں کھایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے حال پوچھا، میں نے کہا: اب تقریباً ٹھیک ہے۔ انھوں نے کہا: تمہاری بیوی بیمار تھی، اس لیے ہم تمہیں کھانا کھلا دیا کرتے تھے۔ اب جب وہ ٹھیک ہوگئی ہے تو کھانا نہیں کھلائیں گے[3]

حضرت امّ درداءؓ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ خواتین مردوں کی عیادت بھی کرسکتی ہیں اور وہ کسی خانگی الجھن میں ہوں تو اپنے گھر ان کے کھانے کا انتظام بھی کرسکتی ہیں۔

سماجی خدمات

اسلام نے عورتوں کو سماج کی خدمت کرنے اور اس کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینے سے منع نہیں کیا ہے۔ وہ ان کاموں میں حصہ لے سکتی ہیں اور فی الواقع لیتی رہی ہیں۔ یہاں دو ایک مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

دورِ رسالت کا واقعہ ہے، مسجد نبوی میں منبر نہیں تھا۔ ایک خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرا ایک غلام ہے جو بڑھئی ہے۔ اگر اجازت ہو تو کوئی اونچی چیز بنوادوں، جس پر آپ بیٹھ کر خطبہ دے سکیں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! منبر بنوادو[4]

---

[1] بخاری، الادب المفرد: ۲/۹۰۴۔

[2] رواہ البخاری تعلیقاً۔ کتاب المرضیٰ، باب عیادۃ النساء الرجال و رواہ مرفوعاً فی الادب المفرد: ۱/۶۲۷۔

[3] بخاری، الادب المفرد: ۱/۶۰۶۔

[4] بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الاستعانۃ بالنجار والصناع۔

مکہ میں پانی کی سخت تکلیف تھی۔ ایک مُشک پانی ایک دینار میں فروخت ہو تھا۔ زبیدہ بنت جعفر نے دس میل لمبی نہر کی تعمیر کا حکم دیا، تا کہ مکہ والوں کو آسانی سے پانی مل سکے۔ اس کے لیے پہاڑوں کو توڑنا اور چٹانوں کو کاٹنا پڑ رہا تھا۔ اس کام کے نگراں نے زبیدہ سے کہا کہ اس پر بہت خرچ آرہا ہے۔ اس نے جواب دیا: اسے ضرو انجام دینا ہے، چاہے ہتھوڑے کی ایک ضرب پر ایک دینار ہی کیوں نہ خرچ آئے۔ اس طرح یہ زبردست کام انجام پایا[1]

سیاسی محاذ پر

دورِ اوّل کی مسلمان خواتین اعلیٰ سیاسی مناصب پر تو ہمیں نظر نہیں آتیں، لیکن وہ سیاست سے غیر متعلق بھی نہیں رہی ہیں۔ انھوں نے اپنے دور کے سیاسی حالات پر نظر رکھی۔ اسلامی ریاست کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی اور قربانیاں دیں، خلفاء اور امرا کو نصیحتیں کیں، مشورے دیے اور حسب حال سیاسی خدمات انجام دیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کے ساتھ خواتین بھی جنگوں میں شریک ہوتی تھیں اور مختلف پہلوؤں سے ان کی مدد کرتی تھیں۔ یہاں صرف دو ایک مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ لیلیٰ الغفاریہؓ کے بارے میں علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

كَانَتْ تَخْرُجُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ مَغَازِيْهِ تُدَاوِي الْجَرْحٰى وَ تَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى[2]	نبی ﷺ کے ساتھ آپ کے غزوات میں وہ جاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور مریضوں کی دیکھ بھال کرتیں۔

ام سلیطؓ کے حالات میں ابن سعد نے لکھا ہے:

---

[1] ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۲/۷۰۔

[2] الاستیعاب: ۴/۴۶۳، ۴۶۴۔

اَسْلَمَتْ اُمُّ سَلِيْطٍ وَ بَايَعَتْ وَ شَهِدَتْ خَيْبَرَ وَ حُنَيْنًا[1]	امّ سلیط اسلام لائیں، بیعت کی اور خیبر اور حنین میں شریک ہوئیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

كَانَتْ تَزْفِرُ لَنَا الْقِرَبَ يَوْمَ اُحُدٍ[2]	وہ ہمارے لیے احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں۔

روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین کی سربلندی اور مسلمانوں کی کامیابی سے چھوٹی بڑی ہر خاتون خوشی اور مسرت محسوس کرتی تھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نگ سے واپس ہوئے تو ایک سیاہ فام باندی آئی اور کہا کہ میں نے یہ نذر مانی تھی کہ خیریت کے ساتھ آپؐ کی واپسی ہوگی تو آپ کے سامنے دف بجا کر اور گا کر وشی کا اظہار کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا: اگر واقعی تم نے نذر مانی ہے تو پوری کرلو، رنہ رہنے دو۔ اس نے عرض کیا: میں نے نذر مانی ہے۔ چناں چہ آپ بیٹھ گئے اور ں نے گا کر اور دف بجا کر خوشی کا اظہار کیا[3]

مسلمان خواتین نے اپنے وقت کے خلفاء کو نصیحتیں بھی کی ہیں۔ حضرت عاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو لکھا کہ مجھے ایک مختصر سی نصیحت کیجیے۔ حضرت عائشہؓ نے سولِ اکرمؐ کا یہ ارشاد لکھ کر بھیجا جس میں ایک حاکم کے لیے بہترین راہ نمائی ہے:

مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَ مَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ	جو شخص لوگوں کو ناخوش کرکے اللہ کی رضا تلاش کرے (لوگ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، کیوں کہ) اللہ تعالیٰ اسے انسانوں کے شر سے بچا لیتا ہے، لیکن جو

ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۸/۴۱۹۔

۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/۴۹۳۔

۳ ترمذی: کتاب المناقب، باب مناقب عمر ابی حفص۔ ابوداؤد، کتاب النذور، باب مایؤمر به ن وفاء النذر۔

بِسَخَطِ اللّٰهِ وَ كَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ[1]	شخص اللہ کو خفا کر کے لوگوں کی خوش نودی ڈھونڈے تو اللہ تعالیٰ اسے ان ہی کے حوالہ کر دیتا ہے (اور وہ جس طرح چاہتے ہیں اس پر حکومت کرتے ہیں)۔

قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ حج کے موقعے پر حضرت معاویہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پہنچے۔ اس وقت ان دونوں کے ساتھ صرف حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوان تھے۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت معاویہؓ سے کہا: آپ نے میرے بھائی محمد بن ابوبکر کو قتل کرادیا۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ میں وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور مصر میں شہید ہوئے تھے۔ کیا آپ کو اس کا خیال نہیں آیا کہ میں بھی کسی آدمی کو لگا سکتی ہوں، جو آپؓ کو قتل کردے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا: آپ نے سچ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: مجھے امید ہے، آپ ایسا نہیں کریں گی۔ پھر ان کو حضرت عائشہؓ نے نصیحت فرمائی اور اتباعِ شریعت کی ترغیب دی۔[2]

بریرہ ایک لونڈی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا تھا۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کا بیان ہے کہ خلافت سے پہلے میں بریرہ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ وہ مجھ سے کہتی تھیں کہ میں تمہارے اندر بعض خوبیاں دیکھتی ہوں۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ حکومت اور خلافت تمھیں ملے گی۔ اگر تمھیں خلافت حاصل ہو تو خوں ریزی سے بچنا، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جنت کو دیکھنے کے بعد بھی انسان اس کے دروازے سے ہٹا دیا جائے گا، اس تھوڑے سے خونِ ناحق کی وجہ سے جو اس نے کسی مسلمان کا بہایا ہوگا۔[3]

شفاء بنت عبداللہؓ کے حالات میں علامہ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:

---

[1] ترمذی، ابواب الزہد، باب ۶۴

[2] ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۳۱۔

[3] ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/۳۵۸۔

اَسْلَمَتِ الشِّفَاءُ قَبْلَ الْهِجْرَةِ فَهِیَ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ الْاَوَّلِ وَ بَایَعَتِ النَّبِیَّ ﷺ وَكَانَتْ مِنْ عُقَلاَءِ النِّسَاءِ وَ فُضَلاَئِهِنَّ... وَ كَانَ عُمَرُ یُقَدِّمُهَا فِی الرَّأْیِ وَ یَرْضَاهَا وَ یُفَضِّلُهَا وَ رُبَّمَا وَلَّاهَا شَیْئًا مِّنْ اَمْرِ السُّوْقِ[1]

شفاءؓ ہجرت سے پہلے اسلام لا چکی تھیں۔ وہ ابتدائی مہاجرین میں سے تھیں، انھوں نے نبی ﷺ سے بیعت بھی کی تھی۔ وہ عقل و فہم اور فضیلت والی عورتوں میں تھیں.... حضرت عمرؓ ان کو رائے اور مشورہ میں آگے بڑھاتے، ان کو خوش رکھتے اور ان کو (دوسروں پر) فضیلت دیتے۔ بسا اوقات ان کو بازار کی کوئی ذمے داری بھی سونپتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاء بنت عبد اللہ کی عقل و دانش اور علم و فضل ب کے نزدیک مسلّم تھی۔ حضرت عمرؓ ان کی رایوں کو اہمیت دیتے تھے اور بعض اجی خدمات بھی ان کے سپرد کی تھیں۔

فاطمہ بنت قیسؓ مشہور صحابیہ ہیں۔ ابتدائی مہاجرین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے حالات میں علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں:

كَانَتْ ذَاتَ جَمَالٍ وَ عَقْلٍ وَ كَمَالٍ وَ فِیْ بَیْتِهَا اِجْتَمَعَ اَصْحَابُ الشُّوْرٰی عِنْدَ قَتْلِ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِؓ وَ خَطَبُوْا خُطَبَهُمُ الْمَاثُوْرَةَ قَالَ الزُّبَیْرُ وَ كَانَتْ اِمْرَاَةً نَجُوْدًا[2]

وہ صاحب جمال اور عقل و کمال والی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ان ہی کے مکان پر اصحاب شوریٰ جمع ہوئے تھے اور انھوں نے وہ تقریریں کی تھیں، جو ان سے منقول ہیں۔ زبیر (ابن بکار) نے کہا ہے کہ وہ شریف خاتون تھیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فہم و فکر اور شرافت پر سب کو اعتماد تھا۔ ضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد صحابہ کی مجلس شوریٰ میں خلیفہ کے انتخاب کے سلسلے میں،

---

[1] ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۲۳، ۴۲۴۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۸/ ۲۰۱، ۲۰۲۔

[2] ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۵۴۔

جو زبردست بخشیں ہوئی تھیں وہ ان ہی کے گھر پر ہوئی تھیں۔ بظاہر وہ ان سے براہِ راست متعلق اور ان سے واقف بھی رہی ہوں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان خواتین دین و اخلاق، سیرت و کردار، علم و سیاست اور تہذیب و معاشرت ہر میدان میں نمایاں رہی ہیں۔ انھوں نے مختلف پہلوؤں سے اسلام کی اتنی زبردست خدمت انجام دی ہے کہ تاریخ کا کوئی بھی طالب علم نہ تو ان کو نظرانداز کرسکتا ہے اور نہ کم کرکے دکھا سکتا ہے۔



دورِ حاضر میں مسلم خواتین کی ملازمت کا مسئلہ

(موجودہ دور میں مسلم خواتین کی ملازمت سے متعلق اسلامک فقہ اکیڈمی (نئی دہلی) کے ایک سوال نامہ کے جواب میں ذیل کا مضمون تحریر کیا گیا۔ سوالات فقہ اکیڈمی ہی کے قائم کردہ ہیں۔)

خاندان میں مرد اور عورت کے فرائض

خاندانی نظام میں عام طور پر مرد کی حیثیت سربراہ کی ہوتی ہے۔ وہ اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے، بیوی بچوں اور بعض اوقات قریبی عزیزوں کی معاش اور دوسری ضروریات کا نظم کرتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت اور شادی بیاہ کے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ دوسری طرف عورت امور خانہ داری انجام دیتی ہے، جس میں گھر کے نظام کو ٹھیک رکھنا، بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش اور شوہر کے مال کی حفاظت جیسے امور شامل ہیں۔ خاندان کا یہی نظام عرب میں بھی رائج تھا۔ اس نظام میں بعض بڑی بے اعتدالیاں تھیں، ایک دوسرے کے حقوق متعین نہیں تھے، ذمہ داریاں واضح نہیں تھیں۔ بعض اوقات عدل و انصاف کے صریح تقاضے پورے نہیں ہوتے تھے۔ عورت اپنی طبعی کم زوری کی وجہ سے سب کچھ برداشت کرتی تھی۔ اسلام نے خاندان کا نظام باقی رکھا، اسے مستحکم بنیادیں فراہم کیں، ظلم و نا انصافی سے پاک کیا، مرد اور عورت کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کیا، مرد کی مطلق بالا دستی ختم کی، عورت کی کم زوری کی

رعایت کی اور اسے قانونی تحفظ فراہم کیا۔ خاندان کی بقا اور استحکام کے لیے اس نے مر
سے کہا کہ وہ عورت کی معاش کا ذمہ دار ہے۔ یعنی از روئے قانون عورت کا یہ حق قرا
دیا کہ مرد اس کا نان نفقہ برداشت کرے۔ اس انتظام کی بظاہر ایک حکمت یہ ہے ک
عورت گھر کے داخلی نظم کو چلانے کے لیے خود کو فارغ کر سکے۔

تعلیم یافتہ خواتین میں ملازمت کا رجحان

موجودہ دور میں جو سماجی تبدیلیاں آئی ہیں اور ضروریاتِ زندگی کا دائرہ جس
طرح وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے اس میں یہ ضروری سمجھا جانے لگا ہے کہ مرد ک
ساتھ عورت بھی معاشی جدو جہد میں شریک ہو۔ آج کی عورت خود بھی معاشی طور پ
خودکفیل ہونا چاہتی ہے اور خاوند یا کسی دوسرے فرد پر انحصار کرنا نہیں چاہتی۔ اسے اس
کے مواقع بھی حاصل ہیں۔

آج بہت سی مسلمان خواتین، خصوصاً تعلیم یافتہ خواتین بھی اسی طرح سوچت
ہیں اور عملاً معیشت کے میدان میں حصہ لے رہی ہیں۔ ان کے سلسلے میں بعض وہ سوالات
جو اس وقت پیش نظر ہیں، یہاں ان کا جواب دینے کی طالب علمانہ کوشش کی جارہی ہے۔

سوال: ۱

شریعت اسلامی خواتین کے لیے کسبِ معاش کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟

جواب:

اسلام نے عورت کو معاش کی فکر سے بڑی حد تک بے نیاز رکھا ہے۔ اس ک
لیے وہ عام حالات میں مجبور نہیں ہے، لیکن اس کی معاشی جدو جہد کو ناپسندیدہ نہیں ک
جاسکتا۔ رزق کو قرآن مجید میں اللہ کا فضل کہا گیا ہے اور اسے تلاش کرنے کی ہدایت ک
گئی ہے۔ سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ. (الجمعہ:۱۰)

جب نماز ختم ہوجائے تو (تمھیں اجازت ہے کہ) زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

عورت کو بھی اللہ کا فضل تلاش کرنے کا حق ہے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ حق صرف مرد کو حاصل ہے، عورت کو حاصل نہیں ہے۔ اس پر ایک اور پہلو سے بھی ور کیا جاسکتا ہے۔

عورت کو مختلف ذرائع سے مال حاصل ہوتا ہے، ان میں مہر اور میراث شامل ہے، جس کی مقدار بعض اوقات بڑی ہوسکتی ہے۔ تحفہ، عطیہ اور ہبہ کی شکل میں اس کے اس مال آسکتا ہے، وہ چھوٹے بڑے وقف کی نگراں ہوسکتی ہے۔ از روئے شرع اسے ں کا حق ہے کہ اپنے سرمایہ کو ترقی دے اور اس میں اضافے کی کوشش کرے۔ وہ اپنی رضی سے اس میں تصرف کا بھی حق رکھتی ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے امام ابوحنیفہؒ، ام شافعیؒ، ابن المنذرؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا مسلک ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لِلْمَرْأَةِ الرَّشِيْدَةِ التَّصَرُّفُ فِيْ مَا لِهَا كُلِّهَا بِالتَّبَرُّعِ وَالْمُعَاوَضَةِ[1]

سمجھ دار عورت کے لیے اپنے پورے مال میں تصرف کا حق ہے۔ اسے وہ نیک کاموں میں صرف کرسکتی ہے اور معاوضہ پر بھی لگا سکتی ہے۔

اسی کا ایک پہلو یہ ہے کہ کسی کم سن لڑکی کا مال اس کے ولی کے پاس ہو تو ب وہ بالغ ہوجائے اور اسے سوجھ بوجھ حاصل ہوجائے تو اس کا مال اس کے حوالے

---

[1] ابن قدامہ، المغنی: ۶/ ۶۰۲۔ تحقیق الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی و الدکتور عبدالفتاح محمد نلو، ہجر القاہرۃ، ۱۹۹۲ء۔ امام مالک کو اس سے اختلاف ہے۔ ایک روایت امام احمد سے بھی س کی تائید میں ہے کہ عورت اپنا مال شوہر کی اجازت کے بغیر ایک تہائی سے زیادہ صرف نہیں کرسکتی۔ ابن قدامہ نے دلائل سے اس کی کم زوری واضح کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ص ۶۰۲-۶۰۴۔

کردیا جائے گا، چاہے اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔ یہی حضرت عطاء بن ابی رباح، اما
ثوری، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ابوثور اور ابن المنذر کا مسلک ہے[1]

سوال: ۲

کیا شریعت نے خواتین پر بھی نان ونفقہ کی ذمے داری رکھی ہے؟ (خواہ ا
نفقہ ہو یا بچوں وغیرہ کا)

جواب:

شریعت نے عام حالات میں عورت پر معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے۔ خ
اس کا نفقہ پیدائش کے بعد سے بلوغ تک، بلکہ جب تک شادی نہ ہوجائے باپ ۔
ذمہ ہے۔ شادی کے بعد شوہر پر اس کا نان نفقہ واجب ہے، لیکن بعض حالات میں کس
نہ کسی درجہ میں اس پر بھی معاشی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کی بعض مثالیں ذیا
میں دی جارہی ہیں:

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر بچوں کا باپ نہیں ہے تو ماں پر ان کا نا
نفقہ واجب ہوگا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ کہتے ہیں:

ان الام تجب نفقتها ويجب عليها ان تنفق على ولدها إذا لم يكن له اب و بهذا قال أبو حنيفة والشافعي.[2]	ماں کا نفقہ اولاد پر واجب ہے، اسی طرح ماں پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد پر خرچ کرے اگر اس کا باپ نہ ہو۔ (امام احمد کے ساتھ) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے۔

---

[1] ابن قدامہ، المغنی: ۶/ ۲۰۱-۲۰۲۔ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل
رائے یہ ہے کہ شادی سے پہلے اس کا مال اس کے حوالہ نہیں کیا جائے گا۔ ابن قدامہ نے اس
نقد کیا ہے اور اس کی کم زوری واضح کی ہے۔

[2] ابن قدامہ، المغنی: ۱۱/ ۳۰۳۔ امام مالک کو اس سے اختلاف ہے، ان کے نزدیک عصبات پر نفقہ واج
ہوتا ہے۔ ماں عصبہ نہیں ہے، اس لیے اس پر اولاد کا نفقہ واجب ہے نہ اولاد پر اس کا نان نفقہ لازم
ہے۔ حكي عن مالك انه لاَ نفقة عليها ولاَ لها لِانها ليست عصبة لولدها۔ المغنی: ۱۱/ ۳۷۳۔

مزید فرماتے ہیں:

فان اعسر الأب وجبت النفقة علی الأم، ولم ترجع بها علیه ان أیسر[۱]	اگر باپ تنگ دست ہو اور اولاد کا نفقہ نہ برداشت کر سکے تو ماں پر اس کا نفقہ واجب ہوجائے گا۔ یہ اس کی طرف سے قرض نہ ہوگا، اس لیے باپ بعد میں خوش حال یا صاحب حیثیت ہوجائے تو اس کا مطالبہ وہ اس سے نہ کر سکے گی۔

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے:

ام معسرة وجدّة موسرة النفقة علی الجدة.[۲]	ماں تنگ دست اور دادی خوش حال ہے تو نفقہ دادی پر واجب ہوگا۔

بالغ اولاد جو اپنا خرچ نہیں اٹھا سکتی، اس کے متعلق فقہ حنفی کی معتبر کتاب قدوری میں کہا گیا ہے:

وتجب نفقة الابنة البالغة والابن الزمن علی ابویه اثلاثاً، علی الأب الثلثان وعلی الأم الثلث۔[۳]	لڑکی جو بالغہ ہے اور لڑکا جو بلوغ کے بعد معذور اور اپاہج ہے اس کا نفقہ باپ اور ماں دونوں پر واجب ہوگا۔ باپ پر دو تہائی اور ماں پر ایک تہائی۔

اسی طرح کہا گیا ہے کہ بھائی اگر تنگ دست ہے تو بہنوں پر ان کی میراث کے لحاظ سے نفقہ واجب ہے۔ (ونفقة الأخ المعسر علی الاخوات المتفرقات خماساً علی قدر المیراث) وہ اس طرح کہ حقیقی بہن پر ۵/۳ اور اخیافی بہن اور علاتی بہن میں سے ہر ایک پر ۵/۱ ہوگا۔[۴]

---

[۱] المغنی: ۱۱/۳۷۳۔

[۲] المغنی: ۱۱/۳۷۶۔

[۳] ہدایہ مع نصب الرایہ: ۳/۴۰۷۔ دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۶ء۔

[۴] ہدایہ مع فتح القدیر لابن الہمام: ۴/۳۸۱، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء۔

اس وقت نفقات کے سلسلے میں فقہاء کی آراء اور ان کے دلائل زیر بحث نہیں ہیں۔[۱] یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ایسی صورتیں ہوسکتی ہیں جن میں اگر کہا جائے کہ عورت پر بھی از روئے شرع افرادِ خاندان کا نفقہ واجب ہوتا ہے تو جمہورِ فقہاء کی اس سے تائید حاصل ہوگی۔

اس قانونی بحث سے قطع نظر افراد خاندان میں الفت و محبت اور تعاون و ہمدردی کے، جو فطری جذبات پائے جاتے ہیں، ان کے کچھ اور تقاضے ہیں۔ اسلام ان جذبات کو ابھارتا اور تقویت پہنچاتا ہے۔ شوہر کا نفقہ بیوی پر کسی حال میں واجب نہیں ہے، لیکن خوش حال بیوی تنگ دست شوہر کی مدد کرسکے تو یہ اعلیٰ اخلاق کا ثبوت ہوگا۔ شریعت اسے بہت بڑے اجر وثواب کا عمل قرار دیتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی، ان کی بیوی زینب ان پر اور اپنے یتیم بچوں پر (جو سابق شوہر سے تھے) خرچ کرتی تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

أَيَجْزِئُ عَنِّي اَنْ اُنْفِقَ عَلٰى زَوْجِيْ وَاِيتَامٍ فِيْ حِجْرِيْ.

کیا میرا اپنے شوہر پر اور اپنے ان یتیم بچوں پر جو میری حفاظت اور نگرانی میں ہیں، خرچ کرنا میری طرف سے کافی ہوجائے گا اور میں اپنے فرض سے سبک دوش ہوجاؤں گی۔

یہی سوال ایک اور خاتون کو درپیش تھا۔ آپ نے دونوں سے فرمایا:

لَهُمَا اَجْرَانِ: اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ.[۲]

ہاں، ان کے لیے دو اجر ہیں: ایک قرابت کا اجر اور ایک صدقہ کا اجر۔

حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ابوسلمہؓ کا انتقال ہو چ

---

[۱] اس سلسلے کی کسی قدر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۲، جزء ص ۱۱۱-۱۱۳، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۸۸ء۔

[۲] بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الزکوۃ علی الزوج والایتام فی الحجر۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین الخ۔

ہے۔ اب ان کے بچوں پر اگر میں خرچ کروں تو کیا مجھے اس کا اجر ملے گا۔ میں انھیں چھوڑ بھی نہیں سکتی۔ بہر حال وہ میرے بچے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

نعم، لکِ اَجرُ مَا اَنفقتِ عَلَیہِم[1] ہاں، تم ان پر جو کچھ خرچ کروگی اس کا تمھیں اجر ملے گا۔

بعض اوقات عورت پر افراد خاندان کی مدد کی اخلاقی ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ یہ احادیث بتاتی ہیں کہ شوہر اور گھر کے دوسرے افراد ضرورت مند ہوں اور عورت ن کی ضرورت پوری کرے تو وہ دوسرے مداتِ خیر میں خرچ کرنے سے زیادہ اجرو ذاب کی مستحق ہوگی۔ اس جذبہ سے اگر عورت اپنی مالی حیثیت کو بہتر بنانے کی کوئی جائز ذبیر اختیار کرے تو اسے ناجائز نہیں، بلکہ جائز اور پسندیدہ ہی کہا جائے گا۔

سوال: ۳

محض معیارِ زندگی کو بلند کرنے، یا وقت گزاری اور سرمایہ و اثاثہ پیدا کرنے کی رض سے عورتوں کے لیے معاشی جدو جہد کا کیا حکم ہے؟ جب کہ گھر کی مالی حالت ایسی ہے کہ اس میں تنگی ترشی سے کام چل سکتا ہے اور چلتا ہے؟

جواب:

اسلام نے دنیا میں ملوث ہونے اور اپنی توانائیوں کو اسی میں لگا دینے سے منع کیا ہے اور قناعت کی تعلیم دی ہے، لیکن اگر کوئی شخص جائز اور حلال ذرائع سے مال ماصل کرتا اور آسائش و راحت کی زندگی گزارتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطے کہ ں کی معاشی مصروفیات ایسی نہ ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جائے، اس کے بندوں کے ققوق کو فراموش کر بیٹھے اور دنیا پرستوں کی طرح غفلت کی زندگی گزارنے لگے۔ کاروبارِ دنیا للہ کے نیک بندوں کو اس کی یاد سے، نماز اور زکوٰۃ سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ وہ اللہ

---

[1] بخاری، کتاب النفقات، باب علی الوارث مثل ذالک۔

کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ (النور: ۳۷)

وہ لوگ کہ انھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غفلت میں نہیں ڈالتے۔وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں (خوف سے) الٹ جائیں گے۔

تجارت اور خرید و فروخت سے ضروریات زندگی بھی پوری ہوسکتی ہیں اور خوش حالی کا بھی امکان ہے۔ تجارت میں بالعموم یہ دونوں ہی باتیں پیش نظر ہوتی ہیں۔ مرد کی طرح عورت بھی اسلامی حدود میں عسرت کی جگہ راحت کی زندگی کے لیے تجارت یا کوئی جائز تدبیر اختیار کرے تو اسے غلط نہیں کہا جاسکتا۔ شریعت نے اس معاملہ میں مرد اور عورت کے درمیان بہ ظاہر کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

سوال: ۴

خواتین کے لیے کسب معاش کی کوئی صورت اختیار کرنے میں کیا اس وقت بھی، جب کہ وہ اندرون خانہ ہی اپنی معاشی سرگرمیوں کو محدود رکھیں، اپنے ولی یا شوہر سے اجازت لینا ضروری ہوگا؟

جواب:

عورت کے لیے اندرون خانہ اپنی معاشی مصروفیت کے لیے شوہر سے اجازت لینی ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے نان ونفقہ کا از روئے شرع، مرد ذمہ دار ہے۔ وہ کسبِ معاش کے لیے مجبور نہیں ہے۔ عورت کا نان ونفقہ مرد پر اس لیے بھی واجب ہے کہ وہ اس کا وقت لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں عورت نان ونفقہ کے عوض شوہر کے لیے اپنا وقت فارغ کرتی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

النفقة جزاء الاحتباس، فكل من كان محبوسا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه.	نفقہ عورت کو روکے رکھنے کا معاوضہ ہے۔ جو شخص دوسرے کے فائدے کے لیے محبوس ہے (اپنا وقت اسے دے رہا ہے) اس کا نفقہ اس پر واجب ہوگا۔

اس کی دلیل یہ دی گئی ہے:

اصله القاضي والعامل في الصدقات[1]	اس کی اصل قاضی اور عاملِ صدقات ہے۔

قاضی اور عامل صدقات کے اوقات مسلمانوں کی فلاح کے لیے حاصل کیے ‌اتے ہیں، اس لیے ان کا نفقہ بیت المال پر واجب ہوتا ہے۔ یہی معاملہ عورت کے ‌ن ونفقہ کا ہے۔ جب عورت کے اوقات شوہر کے لیے فارغ ہیں تو وہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسری مصروفیت نہیں اختیار کر سکتی۔

سوال: ۵

اگر عورت کو کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو کیا اس کے لیے ‌لی یا شوہر کی اجازت ضروری ہے؟ گھر سے نکلنا مسافتِ سفر یا اس سے زیادہ کے لیے، اس سے کم کے لیے، دن کے وقت ہو یا رات کے وقت، ولی اس خاتون کی کفالت ‌کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، ان صورتوں میں حکم شرعی کے اعتبار سے کچھ فرق بھی ہوگا؟

‌جواب:

عورت کو گھر کے اندر کوئی ذریعۂ معاش اختیار کرنے کے لیے جب شوہر کی ‌اجازت ضروری ہے تو اس مقصد سے باہر نکلنے کے لیے بدرجۂ اولیٰ اجازت ضروری ہوگی۔ ‌شوہر اسے اجازت دے بھی سکتا ہے اور منع بھی کر سکتا ہے۔

---

[1] ہدایہ اولین، کتاب الطلاق، باب النفقہ، ص ۴۱۷، کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱۳۵۰ھ۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

وللزوج منعها من الخروج الی ما لها منه بد.

شوہر کو یہ حق ہے کہ عورت کو باہر نکلنے سے ان امور کے لیے بھی منع کردے جو اس کے لیے ضروری ہیں۔

مزید کہتے ہیں:

ولاَ یجوز لهــا الخــروج الاّ باذنه.[۱]

عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔

اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شوہر کو قانونی طور پر اس کا حق ضرور ہے کہ بیوی کو اپنے والدین کی عیادت کے لیے جانے سے بھی منع کرے، لیکن یہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے منافی ہے، اس لیے اس کی اجازت اسے دینی چاہیے۔ اسی طرح وہ بیوی کو مسجد جانے سے روک سکتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انھیں نہ روکا جائے۔[۲]

عورت کے سفر کے سلسلے میں حدیث میں صراحت ہے کہ بغیر محرم کے اس کا سفر کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ حکم کتنی مسافت کے لیے ہے؟ اس سلسلے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ یحلّ لاِمرأة تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ، تُسَافِرُ مَسِیْرَةَ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ اِلاَّ مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ عَلَیْهَا.[۳]

کسی عورت کے لیے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ کوئی ایسا سفر بغیر محرم کے کرے جس کی مسافت ایک دن اور رات کی ہو۔

اس روایت میں عورت کو، اگر محرم اس کے ساتھ نہ ہو تو، ایک دن کی مسافت

---

۱ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰ / ۲۲۴۔

۲ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰ / ۲۲۴۔

۳ مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ۔

والے سفر سے منع کیا گیا ہے۔ بعض دوسری روایات میں دو دن اور تین دن کی مسافت کا ذکر ہے۔ اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں مسافت کا ذکر ہی نہیں ہے۔

لاَ تُسَافِرِ الْمَـرْأَةُ اِلاَّ مَـعَ ذِیْ مَحْرَمٍ[1] عورت سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ۔

محدثین نے ان روایات میں یہ تطبیق دی ہے کہ اس اختلاف کا تعلق سوال کے اختلاف سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے عورت کے تین دن کے سفر کے متعلق، کسی نے دو دن اور کسی نے ایک دن کے سفر کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے ہر موقع پر یہ جواب دیا کہ اس کا بغیر محرم کے سفر کرنا منع ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں 'برید' کا لفظ آیا ہے، جو آدھے دن کے سفر کے لیے بولا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بتاتی ہے کہ عورت کا بغیر محرم کے مطلق سفر صحیح نہیں ہے۔ اسی پر دوسری روایتوں کو محمول کرنا چاہیے۔[2]

موجودہ دور میں سفر آسان ہوگیا ہے، فاصلے سمٹ گئے ہیں، آمد و رفت کے تیز رفتار ذرائع موجود ہیں، آدمی گھنٹوں میں ہزاروں میل کا سفر طے کرکے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ جاتا ہے۔ تمدنی حالات نے سفر کو ایک ضرورت بنادیا ہے اور چھوٹے بڑے سفر بہ کثرت ہونے لگے ہیں۔ سفر میں اجنبی مرد اور عورت کے لیے خلوت کے امکانات اور مواقع ہوتے بھی ہیں اور نہیں بھی ہوتے، عورت کے ساتھ دست درازی بھی ہوسکتی ہے۔ اس وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عورت کا تنہا سفر خطرات سے بالکل محفوظ ہے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ عورت کا سفر شوہر یا محرم کے ساتھ ہو۔ اس پورے پس منظر میں اس مسئلہ پر مزید غور و فکر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

جہاں تک اوقات ملازمت کا تعلق ہے آج کل ملازمت کبھی دن کی ہوتی ہے

---

[1] ان روایات کے لیے ملاحظہ ہو: مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ۔

[2] نووی، شرح مسلم، ج۵، جزء ۹، ص۸۷-۸۸، دارالکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۵ء۔

اور کبھی رات کی۔ خطرات دونوں میں ہیں۔ اس سلسلے میں کوئی اصول وضع نہیں کیا جاسکتا۔ دین دار مرد اور عورت فائدے اور نقصان اور خطر اور عدم خطر کا خود ہی فیصلہ کرسکتے ہیں۔

یہ سوال کہ ولی یا شوہر کے عورت کی کفالت کرنے یا نہ کرنے سے اس معاملہ میں کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے۔ عورت کی کفالت کی ذمہ داری اس کے ولی یا شوہر کی ہے۔ اگر وہ اس ذمے داری کے ادا کرنے سے معذور ہیں، یا عملاً ادا نہیں کر رہے ہیں تو اس کے احکام دوسرے ہیں۔ اس سے ان کا یہ حق ساقط نہیں ہوتا کہ ان کی اجازت ہی سے اسے گھر سے باہر نکلنا چاہیے۔

سوال:٦

خواتین کے لیے ملازمت کے سلسلہ میں شرعی حدود کیا ہیں؟

جواب:

اس ذیل میں تین اہم اصول سامنے آتے ہیں:

۱- مرد ہو یا عورت وہ ایسی ملازمت نہیں اختیار کرسکتے، جو شرعی نقطۂ نظر سے ناجائز ہو، جیسے بینک کی ملازمت، یا شراب اور جوئے کا کاروبار، یا اسی نوعیت کے دوسرے کام، جن کی حرمت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

۲- عورت کو اس کے ولی یا شوہر کی اجازت حاصل ہو۔

۳- عورت اور مرد کا اختلاط نہ ہو۔

سوال:۷

ملازمت کرنے والی خواتین اگر ایسے اداروں میں کام کریں (خواہ تعلیمی ادارے ہوں یا دوسرے) جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں اور کام کی جگہوں میں مرد نہ ہوتے ہوں، البتہ ادارے کے ذمہ دار مرد ہوں، تو اس صورت میں پردے کے کیا احکام ہوں گے؟

اگرعورت ایسی جگہ کام کرے جہاں مرد کارکن بھی ہوں تو اس وقت خاتون کارکنوں کے لیے پردہ کی کیا حدود ہوں گی ؟اس سلسلے میں کیا سن رسیدہ خواتین اور جوان ورتوں کے درمیان فرق ہوگا؟

جواب:

خواتین ایسے اداروں میں ملازمت کرسکتی ہیں جہاں خواتین ہی خدمت انجام یتی ہوں، اور کام کی جگہوں میں مرد نہ ہوتے ہوں۔ مرد ذمہ دار ہوں تو شرعی حدود کے ندر ان سے بات ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں دو امور غور طلب ہیں، ایک کا تعلق عورت کے حدودِ حجاب سے ہے، دوسرا مسئلہ ہے عورت کا کسی غیر محرم سے بات کرنا۔

(الف) جہاں تک عورت کے حجاب کا تعلق ہے۔ اس کا حجاب از روئے شرع پورے بدن کا ہے۔ وہ اپنے بدن کا کوئی حصہ کسی نامحرم کے سامنے نہیں کھول سکتی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ[1]	عورت خود کو پوشیدہ رکھے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکنے لگتا ہے۔

مطلب یہ کہ عورت کو پردے میں ہونا چاہیے۔ جب وہ اس سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اپنی کارروائی شروع کردیتا ہے۔ اس میں خود عورت کے گم راہ ہونے یا کسی دوسرے کے گم راہ ہونے کا خطرہ ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ عورت کے چہرے اور ہاتھ کا بھی حجاب ہے یا وہ نامحرم کے سامنے انھیں کھول سکتی ہے؟ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے دونوں نقطۂ نظر بیان کیے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ بھی حدودِ حجاب میں شامل ہیں۔[2] (اس عاجز کی بھی یہی رائے ہے)

---

[1] ترمذی، کتاب الرضاع، باب:۱۸۔

[2] ابن قدامۃ، المغنی: ۹/۴۹۸–۵۰۰۔

جب عورت کے پورے بدن کا حجاب ہے تو مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے کسی حصۂ بدن کو بلاوجہ دیکھے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

نظر الرجل الی الاجنبیة من غیر سبب فانه محرم الی جمیعها.[1]

اجنبی عورت کے پورے ہی جسم کو بغیر کسی سبب کے دیکھنا مرد کے لیے حرام ہے۔

اس کے ساتھ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عورت اپنا چہرہ اور ہاتھ وقت ضرورت اجنبی شخص کے سامنے کھول سکتی ہے اور وہ اسے دیکھ سکتا ہے۔

فقہ حنفی میں اس کے جواز کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:

وینظر من الأجنبیة إلی وجهها وکفیها فقط للضّرورة.[2]

اجنبی عورت کے چہرے اور اس کی ہتھیلیوں کو آدمی صرف ضرورت کے تحت دیکھے گا۔

اس کے ساتھ تاتارخانیہ کے حوالے سے کہا گیا ہے:

النظر إلی وجه الأجنبیة الحرة لیس بحرام، ولكنه یكره لغیر حاجة.[3]

آزاد اجنبی عورت کے چہرے کو دیکھنا حرام تو نہیں ہے، لیکن بغیر کسی ضرورت کے دیکھنا مکروہ ہے۔

اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- کسی خاتون سے آدمی نکاح کرنا چاہے تو حدیث میں آتا ہے کہ ممکن ہو تو اسے دیکھ بھی لینا چاہیے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إذا خطب أحدكم المرأة فان استطاع أن ینظر إلی ما یدعوه إلی نكاحها فلیفعل.[4]

جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے رشتہ کرے تو ہوسکے تو اسے وہ اس قدر دیکھ لے جو اسے اس سے نکاح پر آمادہ کرے۔

---

[1] ابن قدامة، المغنی: ۴۹۸/۹۔

[2] الدر المختار مع رد المحتار: ۵۳۱/۹، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۱۹۹۴ء۔

[3] حوالہ سابق: ص ۵۳۲۔

[4] ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل ینظر الی المرأة وهو یرید تزویجها۔

اس سے مراد، جیسا کہ فقہ حنفی میں کہا گیا ہے، چہرہ ہے[1]

علماء کا اس کے جواز پر اتفاق ہے۔[2]

۲- بعض اوقات عورت کو ہاتھ کلائیوں سے اوپر تک بھی کھولنے پڑتے ہیں۔ چناں چہ خادمائیں، جو اجرت پر روٹی اور کھانا پکاتی یا کپڑے دھوتی ہیں، ان کے ہاتھ عموماً کہنیوں تک کھلے رہتے ہیں، ان کا دیکھنا ناجائز نہیں ہے۔[3]

۳- مرض عورت کے بدن کے کسی بھی حصہ میں ہو، طبیب اسے حسب ضرورت دیکھ سکتا ہے۔ اس میں ہاتھ اور چہرے کی قید نہیں ہے۔[4]

۴- ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اگر کسی عورت سے کاروبار یا اجرت کا معاملہ ہو تو اس کے چہرے کو آدمی دیکھے گا، تا کہ اسے پہچان سکے اور نقصان ہو تو تاوان کا مطالبہ کر سکے۔ ایک روایت یہ ہے کہ امام احمدؒ نے اسے ناپسند کیا ہے، یا بڑی بوڑھی عورت سے متعلق قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق اس سے ہے کہ آدمی عورت کو بے ضرورت دیکھے:

فاما مع الحاجة وعدم الشهوة فلا بأس[5]	لیکن جہاں ضرورت ہو اور شہوت نہ پائی جائے تو دیکھنے میں حرج نہیں ہے۔

۵- اسی طرح باندیوں کے احکامِ حجاب میں رعایت ہے۔ المغنی میں ہے:

الأمة يباح النظر منها إلى مايظهر غالباً[6]	لونڈی کے جسم کا جو حصہ عموماً کھلا رہتا ہے اس کا دیکھنا جائز ہے۔

---

[1] رد المختار مع در المختار: ۹/ ۵۳۲۔
[2] ابن قدامہ، المغنی: ۹/ ۴۸۹۔
[3] الدر المختار مع رد المختار: ۹/ ۵۳۱۔
[4] حوالہ سابق، ص ۵۳۳۔
[5] المغنی: ۹/ ۴۹۸۔
[6] المغنی: ۹/ ۵۰۰۔

۶- غلام اپنی مالکہ کے چہرے اور ہاتھ کو بغیر شہوت کے دیکھ سکتا ہے، شہوت ہو تو دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک غلام کا حکم محرم کا ہے۔[1]

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ عورت حسب ضرورت ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے اور مرد کے لیے اس کا دیکھنا جائز ہے، لیکن اس میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس سے شہوانی جذبات نہ مشتعل ہوں اور آدمی غلط روی نہ اختیار کرے۔

(ب) اب کسی نامحرم خاتون سے گفتگو کے مسئلہ کو لیجیے۔

فقہ حنفی کی رو سے عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے:

إن صوت المرأة عورة على الراجح.[2]	عورت کی آواز کا بھی راجح قول کے مطابق پردہ ہے۔

سلام کرنا سنت اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اسی طرح چھینک کے بعد کوئی الحمد لله کہے تو اس کے جواب میں یرحمک الله کہنا سنت ہے۔ فقہائے احناف نے لکھا ہے:

ولاَ يكلّم الأجنبية إلا عجوزاً عطست أو سلّمت فيشمتها لاَ يرد السلام عليها.[3]	اجنبی عورت سے، اگر وہ بوڑھی نہیں ہے، تو آدمی بات نہیں کرے گا۔ اگر وہ چھینک کر الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہے گا، لیکن اس کے سلام کا زور سے جواب نہ دے گا۔

اس کے ساتھ ایک دوسری رائے بھی ملتی ہے، وہ یہ کہ:

يجوز الكلام المباح مع امرأة أجنبية.	اجنبی عورت کے ساتھ ایسی گفتگو کرنا جائز ہے جو مباح ہے۔

مزید کہا گیا ہے:

---

[1] الدر المختار مع رد المحتار: ۹/ ۵۳۲۔
[2] الدر المختار مع رد المحتار: ۹/ ۵۳۱۔
[3] حوالہ سابق۔

لا بأس بأن يتكلم مع النساء بما لا يحتاج اليه وليس هذا من الخوض في ما لا يعنيه، انما ذلك في كلام فيه اثم.[۱]	اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آدمی عورتوں کے ساتھ ایسی گفتگو کرے جس کی فی الواقع حاجت نہیں ہے۔ یہ لایعنی گفتگو میں نہیں آتا، لایعنی گفتگو وہ ہے جس سے گناہ لازم آئے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام اجنبی مرد اور عورت کے درمیان گفتگو پسند نہیں کرتا، لیکن ساتھ ہی ضرورت کے وقت اس کی اجازت بھی موجود ہے۔ عورت احکامِ شریعت معلوم کرنے کے لیے مفتی یا عالم کے پاس جاسکتی ہے، قاضی کی عدالت میں حاضر ہوسکتی ہے اور شہادت دے سکتی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید نے ازواج مطہرات کو جو ہدایت دی ہے وہ امت کی تمام خواتین کے لیے ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ (الاحزاب:۳۲)	بات میں نزاکت اور نرمی نہ اختیار کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ کوئی برا خیال کرنے لگے اور معروف بات کہو۔

اس آیت میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی اجنبی یا نامحرم سے گفتگو کرتے وقت عورت کو ایسا لوچ دار اور نزاکت بھرا انداز نہیں اختیار کرنا چاہیے جس سے کسی غلط کار اور بدباطن انسان کے دل میں کوئی برا خیال آنے لگے اور وہ اس سے کوئی غلط توقع قائم کر بیٹھے۔ دوسری بات یہ کہی گئی کہ بات چیت 'معروف' کی ہو، اس دائرے سے باہر نہ ہو۔ 'معروف' میں گو وسعت ہے، لیکن اسے بہرحال 'منکر' کے حدود میں نہیں پہنچنا چاہیے۔

نامحرم عورت سے تنہائی میں ملاقات سے منع کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس میں شیطان کو در انداز ہونے کا موقع ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[۱] اس رائے کو نقل کرنے کے بعد ابن عابدین کہتے ہیں: فالظاهر انه قول آخر او محمول على العجوز۔ ردالمحتار: ۹/ ۵۳۰-۵۳۱۔

لا یخلون رجل بامرأة الاّ کان ثالثھما الشیطان۔[1]

کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی نہ اختیار کرے، اس لیے کہ (اس صورت میں) شیطان ان دو کا تیسرا ہوتا ہے۔

جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس سے بھی خلوت میں ملاقات صحیح نہیں ہے۔[2] اس لیے آفس ہو یا کوئی دوسری جگہ، نامحرم سے ملاقات یا گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔ اس سے فساد کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ البتہ مجلس یا مجمع میں نامحرم مردوں سے گفتگو، اظہارِ خیال کی گنجائش ہے۔ فقہاء کے ہاں اجنبی عورت کے ساتھ محرم یا کوئی دوسرا قابل اعتماد مرد یا ثقہ عورت ہو تو اسے خلوت نہیں کہا جائے گا۔[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں نامحرم سے بات ہوسکتی ہے۔

(ج) جوان عورت اور سن رسیدہ عورت کے احکامِ حجاب میں قرآن نے فرق کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحاً فَلَیْسَ عَلَیْھِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَھُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّھُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ (النور: ۶۰)

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کے کسی سے نکاح کی توقع نہ ہو ان کو کوئی گناہ نہ ہوگا، اگر وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار کر رکھ دیں، بشرطیکہ وہ زینت کا اظہار نہ کریں۔ اگر وہ اس سے بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

در مختار میں ہے: ایسی بوڑھی عورت سے، جس سے نکاح کی خواہش نہیں کی جاتی، مصافحہ ہوسکتا ہے۔ کسی غیر اخلاقی حرکت کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے ہاتھ کو مس کیا جاسکتا ہے، اس کے ساتھ سفر ہوسکتا ہے۔[4]

یہاں دو تین باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

۱- فقہاء کے ہاں نامحرم کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش ضرور ملتی

---

[1] ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی کراہیة الدخول علی المغیبات - مسند احمد، مسند عمر بن الخطاب، حدیث نمبر ۱۷۸
[2] ابن قدامہ، المغنی: ۹/ ۴۹۰۔
[3] رد المحتار مع در المختار: ۹/ ۵۳۰۔
[4] در المختار مع رد المحتار: ۹/ ۵۲۹۔

ہے، لیکن اس کا تعلق وقتی اور ہنگامی ضروریات سے ہے، اس لیے اسے قاعدۂ کلیہ بنانے
ں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

۲- گنجائش سے حسب ضرورت ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے،اس سے زیادہ نہیں۔
شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے اسے دیکھ سکتا ہے، مصافحہ نہیں کرسکتا، اسے ہاتھ
ہیں لگاسکتا۔ قضا اور شہادت دینے کے لیے بھی قانونی ضرورت کے تحت اسے دیکھنے کی
جازت ہے، چھونے کی نہیں۔ اس لیے اصول یہ بیان ہوا ہے: 'الضرورات تتقدر
قدرھا'[1]

۳- چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی، جو صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں یہ شرط موجود
ہے کہ جنسی جذبہ یا محرک نہیں ہونا چاہیے، ورنہ اس کا جواز ختم ہوجائے گا۔ غلام اپنی
لکہ کو بھی جنسی جذبہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ مالکہ جوان ہو تو اسے دیکھنا نہیں چاہیے[2]

باندی کے جسم کا، جو حصہ بالعموم کھلا رہتا ہے اسے دیکھنے کا جواز ہے، لیکن
ندی اگر خوب صورت ہے اور اسے دیکھنے سے جنسی جذبہ ابھر سکتا ہے تو اسے دیکھنا نہیں
اہیے۔[3]

امام احمد فرماتے ہیں: مطلقہ کے ساتھ کھانا کھانا جائز نہیں ہے۔

اس پس منظر میں کسی خاتون کا سیلز گرل ہونا یا اسی نوع کا کوئی دوسرا کام کرنا
یح نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں حدودِ حجاب کی پابندی ممکن نہیں ہے۔ اس میں نامحرم
ردوں سے مسلسل ربط و تعلق اور ایک طرح کا اختلاط ہوتا ہے۔ کاروباری معاملات میں
اہک کو متاثر کرنے کے لیے گفتگو میں دل ربائی کا انداز اختیار کرنا پڑتا ہے جسے جائز
ہیں قرار دیا جاسکتا۔

۱۔ در المختار مع رد المحتار: ۹/ ۵۳۳۔

۲۔ حوالہ سابق، ص ۵۳۲

۳۔ ابن قدامہ، المغنی: ۹/ ۴۹۸-۴۹۹

بعض غور طلب پہلو

اس پورے مسئلہ پر موجودہ حالات کے پس منظر میں غور کرنے کی ضرور
ہے۔ حدیث میں عورت کو شوہر کے گھر کی منتظمہ اور نگراں کہا گیا ہے۔

المرأۃُ راعیۃٌ علی بیت بعلھا و ولدہ وھی مسئولۃ عنھم [1]	عورت شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اس میں گھر کی دیکھ بھال، شوہر کے مال کی حفاظت ، بچوں کی پرورش ا
تربیت جیسے امور آتے ہیں۔ پہلے عورت اس کے لیے فارغ ہوتی تھی۔ بعض اوقات
کی معاش میں تعاون بھی کرتی تھی۔ لیکن اب حالات کافی بدل گئے ہیں۔

۱- امور خانہ داری، کھانے پینے کی تیاری، گھر کی صفائی اور بچوں کی پرورش
پہلے عورت کا کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ غریب خاندان میں اس کا پورا وقت ہی لگ ج
تھا، لیکن اب کم از کم شہری زندگی میں مشینی سہولتیں آ گئی ہیں، جن کی وجہ سے ان کامو
میں اس کا بہت کم وقت صرف ہوتا ہے۔

۲- بچوں کی دیکھ بھال کے لیے آیا، ملازم یا ملازمہ ہوتی ہے۔ تین چار سا
کی عمر ہی سے وہ نرسری، اسکول اور پھر کالج چلے جاتے ہیں۔ بعض حالات میں اسکو
زندگی ہی سے ان کا قیام ہاسٹل میں ہوتا ہے۔

۳- زندگی گراں ہوگئی ہے، اخراجات بڑھ گئے ہیں، معیار زندگی بدل
ہے۔ اس وجہ سے مرد کی آمدنی بالعموم ناکافی ہوتی ہے۔ اس صورت میں ایک بات یہ
جاسکتی ہے کہ میاں بیوی صبر و شکر اور قناعت سے کام لیں اور شوہر کی آمدنی پر اک
کریں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو عورت کوئی مناسب ذریعۂ معاش اختیار کرسکے

---

[1] بخاری، کتاب العتق، باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الا
العادل۔

تیار کرے اور بہتر زندگی گزارے۔

۴- بلا شبہ یہ مرد کا حق اور اختیار ہے کہ عورت کو کوئی ذریعۂ معاش اختیار رنے کی اجازت دے یا نہ دے، لیکن ایک تعلیم یافتہ خاتون کو، جس کے پاس وقت ی ہو اور جو اپنے اور خاندان کی فلاح کے لیے کچھ کر بھی سکتی ہو، اس سے منع کرنا ذہنی ؤ اور کش مکش کا باعث ہوسکتا ہے۔ اس لیے اس مسئلہ پر قانونی نقطۂ نظر سے ہٹ کر ندانی فلاح و بہبود کے نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہیے[1]

---

[1] اس موضوع پر راقم نے اپنی کتاب 'اسلام کا عائلی نظام' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی میں بھی بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو بحث 'عورت اور معیشت' اس بحث کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔



کتابیات

۱۔قرآن مجید: منزل من اللہ

تفسیر

۲۔ابن کثیر: ابوالفداء عماد الدین اسماعیل الدمشقی (م ۷۷۴ھ) تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: دکتور سید محمد سید وغیرہ، دارالحدیث، القاہرۃ

۳۔قرطبی: ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری (م ۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ء

حدیث

۴۔بخاری: ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ) الجامع الصحیح المسند من احادیث رسول اللہ وسنہ وایامہ (صحیح بخاری)

۵۔مسلم: ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری (م ۲۶۱ھ) صحیح مسلم

۶۔ابوداؤد: سلیمان بن الاشعث السجستانی (م ۲۷۹ھ) سنن ابی داؤد

۷۔ترمذی: ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) جامع الترمذی

۸۔نسائی: ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی (م ۳۰۳ھ) سنن النسائی

۹۔ابن ماجہ: ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ القزوینی (م ۲۷۳ھ) سنن ابن ماجہ

۱۰۔احمد: احمد بن حنبل الشیبانی (م ۲۴۱ھ)، المسند، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۴

۱۱۔حاکم: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ النیسابوری (م ۴۰۵ھ) المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۱۲۔ذہبی: شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ) تلخیص المستدرک (المطبوع

مع المستدرک) دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۳۴۲ھ
۱۳۔دارمی: عبداللہ بن عبدالرحمٰن السمرقندی (م ۲۵۵ھ) سنن الدارمی، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۷ء
۱۴۔بخاری: محمد بن اسماعیل، الادب المفرد مع فضل اللہ الصمد للشیخ فضل اللہ الجیلانی، المطبعۃ السلفیۃ ومکتبتہا، القاھرۃ، ۱۳۷۸ھ
۱۵۔خطیب: ولی الدین محمد بن عبداللہ التبریزی (م ۷۳۷ھ) مشکوٰۃ المصابیح
۱۶۔منذری: زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی (م ۶۵۶ھ) الترغیب والترھیب، تحقیق: ابراھیم شمس الدین، طبع بیروت، لبنان، ۱۹۹۶ء

شروح حدیث

۱۷۔نووی: ابوزکریا یحیٰی بن شرف الدمشقی الشافعی (م ۶۷۷ھ) شرح صحیح مسلم، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء
۱۸۔مناوی: محمد عبدالرؤف (م ۱۰۳۱ھ) التیسیر بشرح الجامع الصغیر، دارالطباعۃ العامرۃ، مصر، ۱۲۸۲ھ
۱۹۔عظیم آبادی: محمد اشرف، عون المعبود علی سنن ابی داؤد، مطبع انصاری، دہلی، ۱۳۲۳ھ
۲۰۔طحاوی: ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ الازدی المصری الحنفی (م ۳۲۱ھ)، مشکل الآثار، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۳۳۳ھ

سیرت و تاریخ

۲۱۔محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ): الطبقات الکبریٰ، دارصادر، بیروت، لبنان
۲۲۔ابن ھشام: ابومحمد عبدالملک (۲۱۸ھ) السیرۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفیٰ السقاوغیرہ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء
۲۳۔ابن عبدالبر: ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد القرطبی (م ۴۶۳ھ) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، تحقیق: الشیخ علی محمد معوض وغیرہ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء
۲۴۔ابن الاثیر: عزالدین ابوالحسن علی بن محمد الجزری (م ۶۳۰ھ) اسدالغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ،

تحقیق: الشیخ علی محمد معوض وغیرہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء
۲۵۔ذہبی: شمس الدین ابوعبداللہ (م ۷۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء، تحقیق: محمد اسعد اطلس، دار المعارف، مصر، ۱۹۶۲ء
۲۶۔ابن حجر: احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، تحقیق: الشیخ عادل احمد عبد الموجود وغیرہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء
۲۷۔ابن خلکان: ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر (م ۶۸۱ھ)، وفیات الاعیان، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، مطبعۃ السعادۃ، مصر
۲۸۔نووی: ابوزکریا یحیٰی بن شرف (م ۶۷۷ھ) تہذیب الاسماء واللغات۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ۔ مصر

اسماء الرجال

۲۹۔ابن حجر: احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) تھذیب التھذیب، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء
۳۰۔الخزرجی: صفی الدین احمد بن عبداللہ، خلاصۃ تذھیب تھذیب الکمال فی اسماء الرجال، تحقیق: محمود عبد الوھاب فائد، مطبعۃ الفجالۃ الجدیدۃ، ۱۹۷۲ء

فقہ، اصول فقہ، فتاویٰ

۳۱۔ابن قیم الجوزیۃ: شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر (م ۷۵۱ھ) اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ ۱۹۹۶ء
۳۲۔ابن قدامۃ: ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد المقدسی (م ۶۲۰ھ) المغنی علی مختصر الخرقی، تحقیق: الدکتور عبداللہ بن عبد المحسن الترکی، مطبع ھجر، القاھرۃ، ۱۹۹۲ء
۳۳۔مرغینانی: برھان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر (م ۵۹۳ھ) الھدایۃ شرح البدایۃ (مختصر القدوری) کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱۳۵۰ھ
۳۴۔زیلعی: جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی (م ۷۶۲ھ) نصب الرایۃ مع الھدایۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء

۳۵۔ابن الھمام: کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی الحنفی (م۶۸۱ھ) فتح القدیر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء

۳۶۔حصکفی: محمد علاءالدین (م۱۰۸۸ھ) الدرالمختار فی شرح تنویرالابصار (المطبوع مع ردّالمحتار)

۳۷۔ابن عابدین: محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی (م۱۲۵۲ھ) ردالمحتار علی الدرالمختار، تحقیق: عادل احمد عبدالموجود والشیخ علی محمد معوض، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ۱۹۹۴ء

۳۸۔ابن الحاج: ابوعبداللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی (م۷۳۷ھ) المدخل، المطبعۃ المصریۃ بالازھر، ۱۳۴۸ھ

